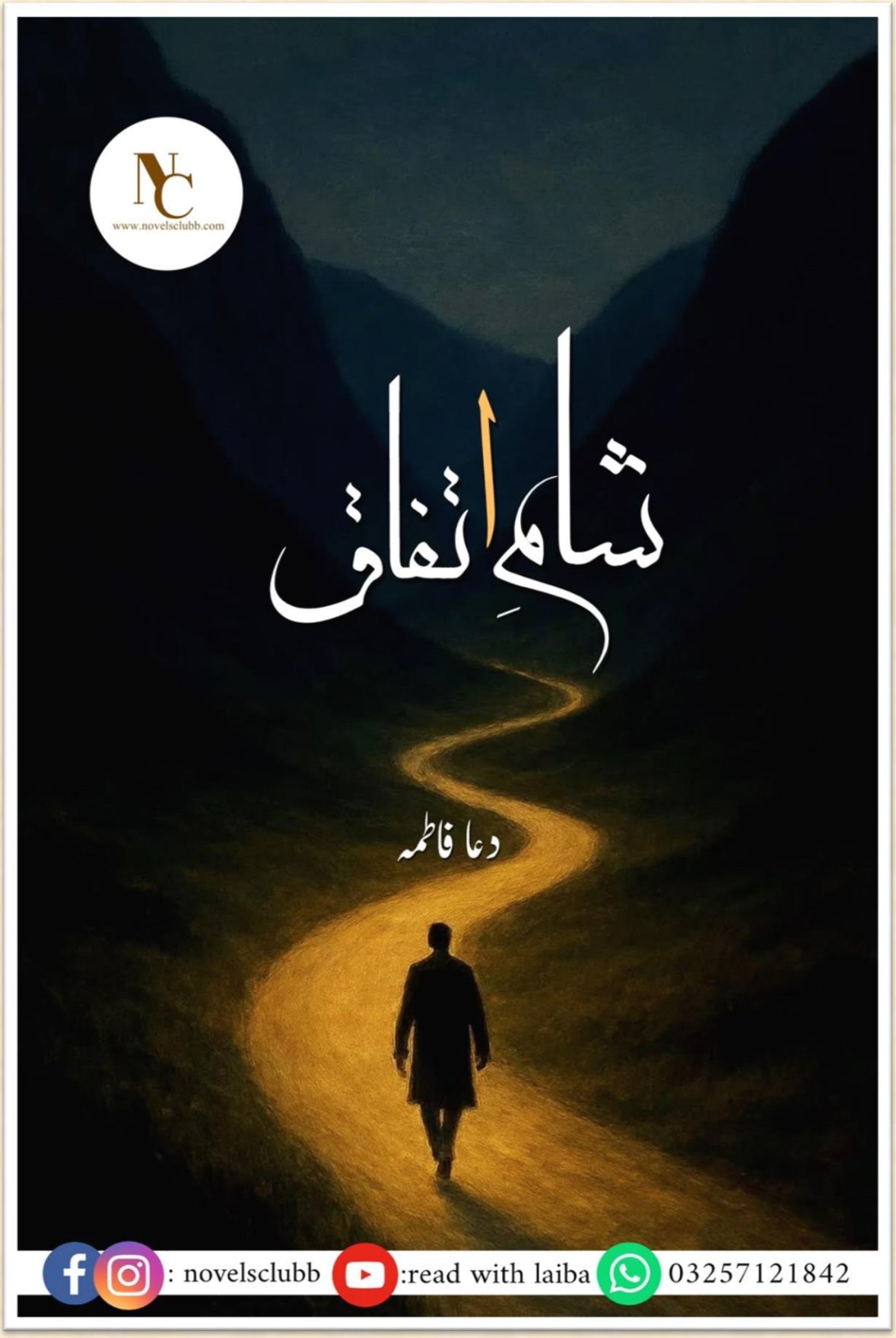
www.novelsclubb.com
شامِ اتفاق
دعا فاطمہ
: novelsclubb
:read with laiba
03257121842

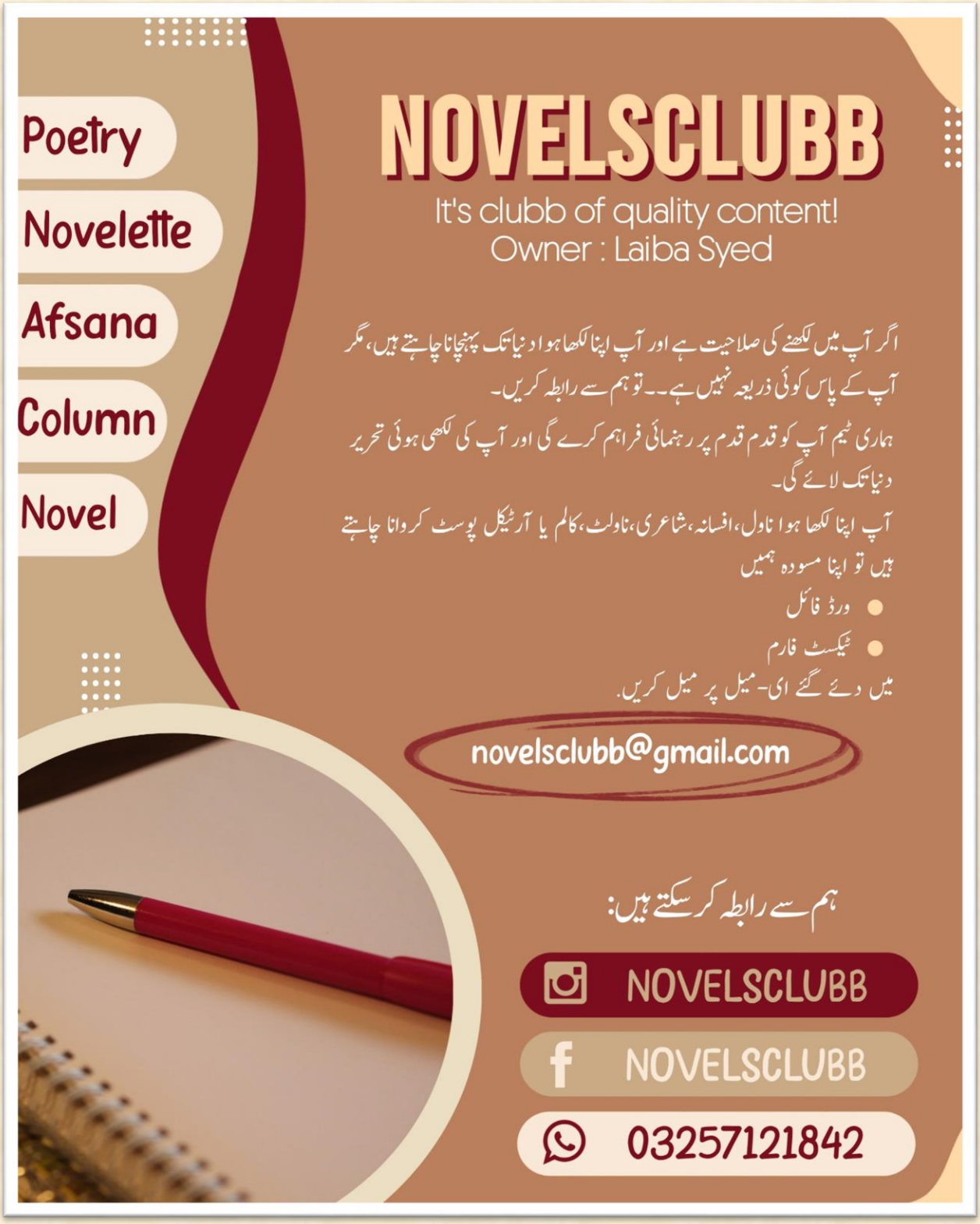
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

شامِ اتفاق

از قلم

دعا فاطمہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

انتساب

خود کی تلاش میں پھرتے ہر انسان کے نام!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پیش لفظ

ایک شام۔۔۔ایک اتفاق۔۔۔ایک انسان۔۔۔ایک بات۔۔۔ایک ملاقات۔۔۔جو سب بدل دے۔جو دل اور دماغ کی دنیا کو ایک نیا پہلو دکھائے،ایک نیا زاویہ بتلائے۔کہانی کا نام پہلے میں نے "میرا نامعلوم ٹھکانہ" رکھا تھا، مگر چند دن پہلے مجھے محسوس ہوا کہ یہ نام اس کہانی کے ساتھ انصاف نہیں کرتا،اس کے بہت سے عناصر کو اوور شیڈو کر رہا ہے۔تب میں نے سوچا کہ اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔اور پھر خوب سوچ بچار اور اپنی دوست کا دماغ کھانے کے بعد ہم دونوں نے مل کر یہ نام سوچا۔

یہ کہانی موسیٰ وحید اور شاہ جہان کی ہے۔ان کے ماضی،حال اور مستقبل کو ہم آہنگ کر کے ایک ایسی صورت دیتی ہے جو اس کے مضامین کو پوری طرح سے کور کرتی ہے۔لاجک وہ پہلی چیز ہے جس کو سائیڈ پر رکھ کر آپ کو یہ کہانی پڑھنی ہو گی۔اس کی وجہ وہ خیالات ہیں جو اسے لکھتے وقت میرے ذہن سے گزرتے تھے۔ایسا نہیں ہوتا؟ یہ کیا لکھا ہے؟ یہ حقیقت سے دور ہے۔۔۔اگر ایسے سوالات ہر کہانی پڑھنے پر آپ کے ذہن میں ابھرتے ہیں تو یہ کہانی آپ کے لیے نہیں ہے۔چُونکہ یہ ایک فینٹسی فکشن ہے تو کچھ چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جو آپ کے ذہن اور سوچوں سے align نہ کریں۔مگر اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ یہ ناولٹ میرے دل کے قریب ہے،مجھے پسند ہے۔کیونکہ اس نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔بہت سے ریمائنڈرز دیئے ہیں۔

ایک سال پہلے لکھی جانے والی یہ کہانی بہت سی غلطیاں لیے ہوئی تھی۔بہت سے کچے پہلو، بہت سی ایسی باتیں جن پر کام کرنا اور ان کو سدھارنا بہت ضروری تھا۔اس کام میں فاطمہ نے میری بہت مدد کی۔اس کی دی گئی تراکیب نے اس کہانی کو ایک نیا پہلو، نیا روپ دیا۔اور پھر بالآخر ان تمام تراکیب کو شامل کرنے کے بعد اس کہانی کی جو صورت سامنے آئی، اس نے اب جا کر بالآخر میرے دل اور لکھاری والے دماغ کو مطمئن کر دیا۔

باقی آپ پڑھ کر فاصلہ کیجیے گا کہ آپ کو یہ کیسی لگی۔

والسلام

دعا فاطمہ

+***

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زندگی کہاں سے لے آئی، کہاں لے جائے

انسانِ ادنی کو کیسے، کیونکر پتا ہو

وقت کیوں ٹھہرے نہ، لمحوں کو گھسیٹ لے جائے

راہیٔ راہِ دنیا کو کیسے، کیونکر پتا ہو

چہرۂ حقیقت کیوں نفسِ پہ ظلم ڈھاتا جائے

نفسِ شکست خوردہ کو کیسے، کیونکر پتا ہو

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اوراقِ شجر کششِ ثقل کے کیوں شکار رہیں

وقت گنوانے والے کو کیسے، کیونکر پتا ہو

مخلوقِ خداوند مصروفِ جہاں رہیں، وقت گزرتا جائے

پھر جنت کیوں نہ ملی، کیسے کیونکر پتا ہو

ٹھکانہ دنیا نہیں، محبت نہیں، پھر کیا ہو

یہ آدمیٔ جہاں کو کیسے، کیونکر پتا ہو

امورِ دنیا و زندگانی کو اہم جو جانے

تو پھر اس کو اپنا ٹھکانہ کیسے کیونکر پتا ہو

گہرا۔ گھنا۔ تاریک!

منظر رومان آباد کے باہر موجود وسیع رقبے پر پھیلے گھنے تاریک جنگل کے بیچ سے گزرتے سرمئی روڈ کا ہے۔۔ وقت تھا مغرب کا۔ آسمان جامنی تھا۔ جھینگر اور جنگل کے پنچھیوں کی آوازوں کے علاوہ کوئی اور آواز نہ آتی تھی۔ ایک سناٹے کا نغمہ تھا اور خاموشی کا گیت۔

ایسے میں ذرا قریب جا کر دیکھا جاتا تو روڈ پر ایک سیاہ چمچماتی بی ایم ڈبلیو کھڑی نظر آتی۔ بونٹ اور ڈکی کھلی ہوئی تھی۔ ڈکی پر کوئی جھکا کھڑا تھا۔ ہاتھ اندر ادھر ادھر مار کر کچھ تلاشنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ سیاہ پینٹ کے اوپر نیلی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کی چھوٹی آستینوں سے اس کے سفید کسرتی بازو جھلک رہے تھے۔ ہاتھوں اور بازوؤں پر جگہ جگہ نسیں ابھری ہوئی تھیں۔ قد کاٹھ کا لمبا چوڑا۔ بھورے بالوں والا۔ اتنے میں جھنجھلاہٹ کے عالم میں اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور ایک قدم پیچھے لیا۔ ہاتھ کمر پر رکھ کر اس نے تھکاوٹ سے ڈکی کو دیکھا تھا۔

وہ خوبصورت تھا۔انتہائی پرکشش۔ بھوری مغرور آنکھوں والا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو۔ سختی سے بھینچے ہوئے گلابی ہونٹ۔ عمر تقریباً چھبیس ستائیس سال لگتی تھی۔ چہرہ بھی تھوڑا بھرا بھرا سا تھا۔ بھوری آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کے ساتھ ساتھ اکتاہٹ بھی صاف واضح تھی۔

ایسے میں بھی وہ جاذب نظر لگتا تھا۔کچھ ایسا تھا اس کی شخصیت میں،اس کے انداز میں کہ ہر کسی کی نظریں کچھ لمحوں کے لیے تو اس پر ضرور ٹھہرتیں اور ان نظروں میں اس کے لیے ستائش ہی ہوتی۔ اس کے گلے میں چاندی کی ایک پتلی چین لٹک رہی تھی۔ نسوں کے جال سے سجے سفید ہاتھوں کی دو انگلیوں میں بڑے بڑے پتھروں والی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ فی الوقت اس نے اپنے گھنی بھنویں بیزاری اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے بھینچ رکھی تھیں۔ چہرے پر دباد باغصہ تھا۔آنکھوں میں البتہ جھنجھلاہٹ کے ساتھ خفگی اور ضد بھی تھی۔ایک تو ویسے ہی اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا، اوپر سے اس گاڑی کو بھی ابھی ہی خراب ہونا تھا۔ نجانے کیوں آج اللہ تعالیٰ اس کے صبر کا امتحان لے رہا تھا؟

اس نے آس پاس مدد کی تلاش میں نگاہیں گھمائیں۔ مگر اس خطرناک اور سنسان جنگل میں کسی انسان کی موجودگی کا گمان کرنا سراسر بے وقوفی تھی۔ وہ جھنجھلا کر ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھا،زور سے دروازہ کھولا اور اندر سیٹ پر بیٹھ کر ڈیش بورڈ پر پڑا اپنا موبائل اٹھایا۔

موبائل پر چند نمبر ڈائل کیے اور کان سے لگایا۔ یہاں شہر کی نسبت سگنل ذرا کمزور آتے تھے۔ کافی دیر تک بیل جاتی رہی پھر بالآخر اگلی جانب سے فون اٹھا لیا گیا۔

"ہاں ہیلو۔"، اس نے تیزی سے کہا تو اگلی جانب ایک پل کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"ہیلو۔ کون؟" پھر ایک خمار آلود مردانہ آواز گونجی تھی۔

"میں ہوں یار۔"، اس نے اکتا کر جواب دیا تھا۔ ایک ہاتھ سے فون کان سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے مسلسل ڈیش بورڈ پر ناک کرتا جا رہا تھا۔ یہ عمل لاشعوری طور پر کیا جا رہا تھا۔ "موسیٰ۔"

"موسیٰ وحید؟"، اگلی جانب سے گویا کنفرم کرنے کے لیے دہرایا گیا تھا، جس پر اس نے ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔

"اور کسی موسیٰ کو جانتے ہو کیا تم؟"، دانت پہ دانت جما کر پوچھا تو اگلی جانب وہ سر جھٹک کر ہلکا سا ہنس دیا تھا۔ موسیٰ نے ضبط سے دانت پیسے تھے۔

"حسن، انف یار۔ میری بات سنو!"، اس نے غصے سے کہا تو اگلی جانب حسن ہنسی روک کر اس کی جانب پوری طرح سے متوجہ ہوا۔

"ہوں بولو۔"، اب کے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ انداز اب بھی یوں تھا جیسے وہ ابھی ہی نیند سے جاگا ہو۔

"میری گاڑی رومان آباد کے باہر جنگل کے بیچ میں خراب ہو گئی ہے۔آس پاس کوئی مکینک وغیرہ بھی نہیں ہے۔کیا کروں؟"،اپنا مسئلہ مختصراً بتا کر وہ خاموش ہوا تو اگلی جانب حسن مانو کسی جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"رومان آباد؟؟آنٹی سے ملنے گئے تھے؟"،حسن کا اندازہ بالکل درست تھا مگر فی الوقت موسیٰ نے غصے سے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"آنٹی سے ملنے گیا تھا یا انکل سے،تم چھوڑو۔اب یہ بتاؤ کہ کروں کیا؟"،اس نے حسن کا دھیان ایک بار پھر اپنے مسئلے کی جانب کروایا تھا۔حسن نے کچھ پلوں کے لیے انگلی تھوڑی تلے رکھ کر سوچا تھا، پھر جب بولا تو آواز بالکل سنجیدہ تھی۔

"رومان آباد کے باہر والا جنگل...آروح کی بات کر رہے ہو؟"،چلو شکر وہ سمجھا تو تھا۔موسیٰ نے جلدی سے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"ہاں ہاں وہی!آروح میں ہی ہوں۔"اس نے بے صبری سے جواب دیا تھا۔

"موسیٰ،آروح کے بارے میں تو بہت سی باتیں سنی ہیں میں نے۔بہت خطرناک ہے وہ جنگل تو۔"، اب کے حسن نے تفکر اور پریشانی سے کہا تو موسیٰ نے ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کر کے آنکھیں موندیں۔حسن اب بھی محتاط سے انداز میں فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

"وہاں بھیڑیے بہت ہوتے ہیں۔اور جنگلی کتے بھی، جو کاٹیں تو ان کے زہریلے تھوک سے انسان کے جسم پر خطرناک پھوڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔اور وہاں ڈاکوؤں کے مختلف گروہوں کا بسیرا بھی ہے۔۔۔اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ۔۔۔"،ابھی وہ مزید بول ہی رہا تھا کہ موسیٰ نے یکدم سیدھا ہوتے ہوئے اسے ٹوکا تھا۔

"ہاں ہاں معلوم ہیں مجھے ساری باتیں۔تم مدد کرو۔ڈراؤ مت مجھے۔"،اس نے دبے دبے غصے سے کہا تو حسن کی زبان جو پٹر پٹر چلتی جا رہی تھی،اس کو یکدم ہی بریک لگی۔پھر کچھ پل سوچنے کے بعد حسن کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔

"اچھا سنو۔میں یہاں سے رومان آباد کے لیے نکلتا ہوں۔ساتھ رسی اور ٹوہک بھی رکھ لوں گا۔تم وہیں ٹھہرے رہو۔اور سنو، گاڑی کا دروازہ لاک کر کے شیشے اوپر چڑھاؤ، پھر اندر سکون سے بیٹھ جاؤ۔دو سے ڈھائی گھنٹے لگ جائیں گے مجھے پہنچنے پہنچتے۔کھانا پانی ہے؟"،بولتے بولتے وہ یکدم رک سا گیا تو اس کے سوال پر موسیٰ نے بے ساختہ نگاہیں بیک سیٹ کی جانب پھیری تھیں۔پیچھے ایک بڑا سا ڈبہ رکھا تھا۔نہ جانے کیسے مگر اس اکتاہٹ میں بھی اس کے خفا خفا سے چہرے پر ایک مسکان در آئی تھی۔ہلکے سے سر جھٹک کر اس نے آنکھیں پھر سے آگے پھیری تھی۔

"اماں جی کے پاس سے آ رہا ہوں۔سوچ لو خود ہی۔"، مسکرا کر اس نے کہا تو اگلی جانب حسن بھی مسکرا دیا۔

"کیا بات ہوئی آنٹی سے؟"، موسیٰ کی مسکراہٹ مدھم پڑی تھی۔

"مل کر بتاؤں گا آرام سے. خیر تم جلدی نکلو وہاں سے تاکہ جلدی پہنچو...اور سنو، امان بھائی کی جیپ لے لینا تاکہ جلدی پہنچ جاؤ، سنا؟" اس نے کہا تو حسن ہلکا سا ہنس دیا۔

"ہاں سن لیا۔ دیکھتا ہوں۔ تم خیال رکھنا، ہاں!"، کہہ کر اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھا تو موسیٰ بھی خدا حافظ کہتا فون ڈیش بورڈ پر رکھتا، دروازہ صحیح سے لاک کرنے لگا۔ جبھی یکدم ہی ذہن میں کچھ کلک ہوا تو اس نے بے اختیار پیچھے کی اور دیکھا۔ ڈکی کھلی ہوئی تھی۔

ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کرتا وہ تھکے ہارے انداز میں گاڑی سے باہر نکلا اور ڈکی بند کرنے پچھلی جانب آیا۔ ابھی اس نے ڈکی ٹائٹ سے بند کر کے ایک قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ ایک بلند مردانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"آہ۔ ہٹو۔ چھوڑو مجھے۔۔۔۔ چھوڑو۔" وہ جو کوئی بھی تھا، حواس باختگی سے چلا رہا تھا۔ موسیٰ کی بھوری آنکھوں میں یکدم ہی بہت سا تفکر ابھرا تھا۔ اس نے سر تھوڑا اٹھا کر بائیں جانب پھیلے جنگل کو دیکھا تھا، جہاں سے آواز آئی تھی۔

"وہاں بھیڑیئے بہت ہوتے ہیں۔"، حسن کے الفاظ ذہن میں گونجے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر اپنا دھیان وہاں سے ہٹایا اور دروازے کی جانب بڑھا۔

"بھیڑیے بہت ہیں۔"، چہرے پہ ایک عجیب سی الجھن ابھری تھی۔

Clubb of Quality Content

"اور جنگلی کتے بھی جو کاٹیں تو ان کے زہریلے تھوک سے انسان کے جسم پر خطرناک پھوڑے ہو جاتے ہیں۔"، حسن کی آواز کہیں آس پاس سے گونجی تھی۔اس نے جھرجھری لے کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ذہن مزید الجھتا محسوس ہو رہا تھا۔

"انسان ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے،اماں جی؟"، کوئی چھوٹا سا آٹھ نو سال کا بچہ اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹا، آنکھیں اٹھائے اپنی ماں کو دیکھتا پوچھ رہا تھا۔اس کے سوال پر اس کی ماں نے اسے نرمی سے دیکھ کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"انسان ہی تو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، موسیٰ۔جو صرف اپنا سوچتے ہیں، دوسروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کرتے ہیں، دوسروں کی تکالیف کو محسوس نہیں کرتے، وہ انسان نہیں ہوتے۔احساسِ ہمدردی اور حقوق العباد انسانیت کی دلیل ہوتے ہیں۔جب انسانیت ہی نہیں ہو گی تو انسان تو نہ کہلائے ناں پھر وہ؟"

موسیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔سانس لیتے ضبط سے اپنی آنکھیں بند کیں۔ایک تو اماں جی پر شدید غصہ ہونے کے باوجود ان کے پڑھائے سبق اس کی آج بھی رہنمائی کرتے تھے۔اس نے چہرہ موڑ کر جنگل کو دیکھا تھا، اور پھر گاڑی کا دروازہ لاک کر کے چابی اپنی پینٹ کی جیب میں اڑستا وہ گھنے، گہرے اور تاریک جنگل کی جانب چل پڑا تھا۔

اس نے ہاتھ میں اپنے فون کی ٹارچ پکڑ رکھی تھی۔لائٹ آس پاس مارتے وہ محتاط نگاہیں ادھر ادھر ڈال رہا تھا۔قدم جنگل کی مٹی پر پڑے سوکھے پتوں پر پڑتے کھڑ کھڑاہٹ سی پیدا کر رہے تھے۔ہر جانب ایک گہری خاموشی تھی۔ایک گہرا سکوت۔وقفے وقفے سے دور کسی بھیڑیئے کے بھونکنے کی آواز آرہی تھی۔

رات اپنے پر پھیلانے لگی تھی۔تاریکی میں بمشکل ہی کچھ نظر آرہا تھا۔ہر جانب بڑے بڑے،اونچے گھنے گھنے درخت تھے۔جنگلی جھاڑیاں اور پیڑ پودے بھی ہر کچھ قدم پر نظر آتے تھے۔وہ آگے بڑھتے ہوئے ساتھ ہی احتیاطاً ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

جبھی اچانک ہی کسی کے دوڑتے قدموں کی بہت ہی واضح آواز سنائی دی تو وہ ٹھہر سا گیا۔پتلیاں بڑی ہو کر اندھیرے میں دیکھنے کے جتن کر رہی تھیں۔باقاعدہ پتوں کے کھڑ کھڑانے اور بھاگتے قدموں کی آواز بہت واضح تھی۔اس کے پیٹ میں کچھ ہونے لگا تھا۔ایسے جیسے بل پڑ رہے ہوں۔سانس حلق میں اٹکنے لگا تھا۔دل کی دھڑکنیں غیر معمولی طور پر بہت تیز ہو گئی تھیں۔کشادہ پیشانی پر پسینے کے قطرے بھی چمک رہے تھے۔

جبھی ایک بار پھر وہ آواز آئی تھی۔صاف محسوس ہوا تھا کہ کوئی اس کی دائیں جانب سے دوڑتا ہوا اس کے سامنے کی طرف گیا تھا۔اور تبھی اگلے ہی لمحے اس کا سانس تھما تھا۔اس کے سامنے درختوں کی

قطار کے وسط میں سے چار پاؤں چلتے ہوئے دھیرے سے اس کی جانب آئے تھے۔اس کی آنکھیں شاک اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے زیر اثر پھیلتی چلی گئی تھیں۔

تبھی اپنے پیچھے سے بھی اسے پتے کھڑ کھڑانے کی آواز آئی تو اس نے جھٹکے سے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔پیچھے سے بھی ایک چار پاؤں والا جانور اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔اس کے بڑے خطرناک ناخن، بڑے بڑے نوکیلے دانت، دہشت سے لبریز آنکھیں، چوڑا، مضبوط، پتھر جیسا جسم... موسیٰ کا سانس تھما تھا۔

دل کی دھڑکنیں سست پڑی تھیں۔آنکھیں خوف اور وحشت کے مارے پھیل گئی تھیں۔موسیٰ وحید کا سانس اس پل صحیح معنوں میں خشک ہوا تھا۔وہ ساکت پتھر کا بت بنا کھڑا رہ گیا تھا۔دونوں جانب سے وہ دو بھیڑیئے منہ سے عجیب و غریب سی آوازیں نکالتے اس کی سمت بڑھ رہے تھے۔

اس کا جسد حرکت کرنے سے انکاری ہو گیا تھا۔شاید موت سامنے کھڑی نظر آنے لگے تو یوں ہی ہوا کرتا ہے۔جبھی بھیڑیئے نے اچھل کر اس پر حملہ کیا تھا۔وہ زمین پر جا گرا تھا۔وہ نیچے تھا اور بھیڑیا اس کے اوپر۔اس نے خوف کی زیادتی سے آنکھیں میچی تھیں۔شاید وہ اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔یا شاید وہ موت کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

اس میں ہمت ہی نہ تھی۔اگلے ہی پل اسے اپنے ہوش جاتے محسوس ہوئے تھے۔دماغ سن ہو کر سونے لگا تھا۔رنگت متغیر ہو گئی تھی۔وہ ساکت سا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔یوں جیسے اس نے خود کو

موت کے حوالے کر دیا ہو۔یوں جیسے مزاحمت کی کوئی راہ میسر ہوئی ہی نہ ہو۔یوں جیسے زندگی اتنی ہی تھی،اس نے قبول کر لیا ہو۔

اندھیرا غالب آنے لگا تھا۔اس کو اپنا وجود بھی اندھیروں کی زد میں آتا محسوس ہوا تھا۔سب ختم ہو رہا تھا۔شاید وہ خود بھی۔

★★★

نجانے کتنے ہی گھنٹے بیتے۔کتنے ہی منٹ گزرے۔اس کو اس اندھیرے میں نیم روشنی دکھی تھی۔ آہستہ آہستہ ہوش آتے محسوس ہوئے۔قدرے دقت سے اس نے بھاری ہوتی پلکوں کو جدا کیا تھا۔ بصارت دھندلا رہی تھی مگر اس دھندلاہٹ کے پار گہری سنہری نارنجی سی روشنی بھی دکھ رہی تھی۔ اپنا آپ اسے کسی نرم و گداز بستر پر لیٹا محسوس ہوا تھا۔بھاری ہوتا سر سنبھالتے ہوئے اس نے بمشکل آنکھیں پوری طرح سے کھولی تھیں۔بصارت صاف ہوئی تو نظروں کے سامنے سنہری روشنی سے چمکتی سوکھی گھاس کی چھت آئی۔

اس کا سویا دماغ یکدم ہی بیدار ہوا تھا۔تو کیا وہ مرا نہیں تھا؟ کیا وہ زندہ بچ گیا تھا؟اس نے اچانک ہی اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"دھیرج رکھو، برخوردار۔" کوئی آس پاس سے ہی بولا تھا۔موسیٰ نے کرنٹ کھا کر چہرہ موڑ کر دیکھا تھا۔اس کے بستر سے کچھ ہی فاصلے پر ایک خستہ حال بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔

بڑی سیاہ آنکھوں اور بکھرے سفید بالوں والا۔آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔سر اور داڑھی کے بال بری طرح الجھے ہوئے تھے۔پھٹا پرانا سا لباس زیب تن کیے،وہ عجیب پراسراریت سے موسیٰ کو دیکھ رہا تھا۔

موسیٰ نے ہتھیلیاں بستر پر جما کر خود کو اٹھایا تو وہ بوڑھا فوراً سے اس کی مدد کرنے کی خاطر قریب آیا۔ موسیٰ نے اس کے بڑھے ہاتھ کو مکمل طور پر نظر انداز کیا اور اپنے بل پر اٹھ بیٹھا۔دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے نقاہت سے ادھر ادھر نگاہیں گھمائی تھیں۔

جبھی اس کے بازو میں تکلیف اٹھی تو اس نے بارو سامنے کیا۔اس کے بازو پر ایک سفید پٹی بندھی ہوئی تھی۔۔۔یقیناً بھیڑیوں نے اسے زخم دیئے تھے۔اس نے نگاہیں اٹھا کر ایک بار پھر اس کوٹھڑی کو دیکھا تھا۔وہ لکڑی اور چھال سے بنی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ایک بڑا صندوق تھا جس پر چند پیالے رکھے تھے۔زمین پر ایک بھورے رنگ کا قالین سا بچھا تھا۔ایک دیوار پر بنے روشن دان نما خانے میں لالٹین رکھی تھی۔قالین کے سرہانے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی رکھی تھی جس کے پائنتے کو ایک اضافی لکڑی سے سہارا دے رکھا تھا۔اسی کرسی پر وہ بوڑھا آدمی بیٹھا تھا۔اس کی عمر تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس لگتی تھی۔

اس کی سیاہ آنکھوں میں عجیب ویرانی اور خاموشی سی تھی۔ایک سناٹا سا جھلکتا تھا جس میں موسیٰ کو اپنا آپ کھوتا محسوس ہو رہا تھا۔اس کے اندر بھی تو ایسا ہی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ایسے ہی خاموشی کے قفل تو لگے تھے اس کے دل و دماغ پر۔

"م۔۔۔میں یہاں کیسے پہنچا؟"،اس نے اس بوڑھے سے زیادہ یہ سوال اپنے آپ سے پوچھا تھا۔

بوڑھا مسکرایا۔اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک انوکھی سی چمک تھی۔اتنی چمک آج تک موسیٰ نے کسی کی آنکھوں میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"میں لایا ہوں تمھیں یہاں۔"،بوڑھے نے ہلکا سا مسکرا کر کہا تھا۔

"بھیڑیوں نے مجھے کھایا نہیں؟"،یہ سوال خاصا پریشان کن تھا۔بوڑھے نے آرام و اطمینان سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"وہ ایسے لوگوں کو نہیں کھاتے۔"

اس بوڑھے شخص کے ہر ہر انداز سے پراسراریت جھلکتی تھی۔اُس کا لہجہ،اس کی آنکھیں،اس کا چہرہ، اس کی باتیں----سب پراسرار تھا۔مختصراً،وہ شخص،خود ہی پراسراریت کا پیکر تھا۔

"کیسے لوگوں کو؟"،موسیٰ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"تمھارے جیسے لوگوں کو۔"،جواب سادہ تھا مگر سیدھا نہیں۔

Clubb of Quality Content

"میں کیسا ہوں؟"، موسیٰ نے ناسمجھی سے پوچھا۔ بوڑھا شخص اس کے سوال پر سر جھٹک کر زور سے ہنس پڑا۔ موسیٰ حیرت سے اسے ہنستے دیکھ رہا تھا۔

"کتنے برس کے ہو، نوجوان؟"، اس نے ہنسنے کے دوران ہی اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ستائیس۔"

بوڑھے نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔

"ان ستائیس سالوں میں آج تک تم کو یہ علم نہ ہو سکا کہ تم کیسے ہو؟"، موسیٰ ناسمجھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس بات کا کوئی جواب نہیں سوجھا تھا۔ وہ چپ سادھے اسے دیکھے گیا۔

"مجھے تمھاری بات سمجھ نہیں آ رہی۔"، چند پلوں بعد موسیٰ نے سر دیوار سے ٹکا کر اسے بے بسی اور تکان سے دیکھا تھا۔

Clubb of Quality Content

"کوئی بڑی بات نہیں۔ میری بات کسی کو سمجھ نہیں آتی۔"، بوڑھا کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مڑ کر وہ صندوق تک گیا اور اس پر پڑی ایک پیالی اٹھائی، چلتا ہوا واپس موسیٰ تک آیا اور پیالی اس کے سامنے کی۔ اس سفید رنگ کی پیالی پر سیاہ رنگ کے عجیب و غریب سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

موسیٰ نے اس طرح کے نقوش پہلی بار دیکھے تھے۔ کچھ کنفیوژن سے چہرہ اٹھا کر اس نے بوڑھے کو دیکھا تھا۔ آنکھوں میں سوال پنپ رہا تھا۔

"جانتے ہو یہ پیالی کس نے دی تھی مجھے؟"،اس نے مسکراتی آنکھوں کو موسیٰ کے چہرے پر جما کر پوچھا تھا۔موسیٰ کا سر خود بخود ہی نفی میں ہلا تھا۔بوڑھا مسکرایا اور پھر اس کے برابر میں ہی پلنگ پر آ بیٹھا۔"ارمحینہ نے دی تھی۔خوبصورت ہے ناں؟"،بوڑھے نے آنکھوں میں بے پناہ چاہ لیے اس سے پوچھا۔موسیٰ نے ایک نظر اس پیالی کے نقش و نگار کو دیکھا تھا۔

ڈراؤنی۔عجیب۔خطرناک۔اس پیالی کو سب کچھ کہا جا سکتا تھا سوائے

"خوبصورت" کے۔اس نے عجیب نظریں اٹھا کر بوڑھے کو دیکھا تھا۔وہ پر شوق انداز میں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"خوبصورت تو نہیں ہے۔"،اور موسیٰ نے اپنے ہمیشہ والے دوٹوک اور صاف گو انداز میں جواب دیا تھا۔بوڑھے کے مسکراتے لب سمٹے تھے۔آنکھوں میں یکدم ہی خفگی امڈ آئی۔اس نے ناراضگی سے چہرہ موڑ لیا۔

"اس کو دیکھ کر وحشت سی ہو رہی ہے۔نہ یہ بدصورت ہے اور نہ خوبصورت۔مگر ایسی ضرور ہے کہ کوئی دیکھے تو اس کی آنکھیں اس پر ٹھہریں۔"،وہ دھیرے دھیرے سنجیدگی سے بولتا جا رہا تھا اور بوڑھے کے سلے لب ہولے ہولے پھر سے مسکراہٹ میں ڈھلتے جا رہے تھے۔"اس کو دیکھ کر پراسراریت کا ایک عجب احساس انسان کو گھیرنے لگتا ہے۔میں نہیں جانتا کہ تمھیں یہ کیونکر

خوبصورت لگا۔مجھے تو بالکل اچھا نہیں لگا۔"، بوڑھا ایک بار پھر کھل کر مسکرایا تھا۔اس کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔

"مجھے یہ اس لئے خوبصورت لگا کیونکہ مجھے یہ دینے والی خوبصورت لگتی ہے۔"، موسیٰ نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔وہ موسیٰ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ سر جھکائے اپنے ہاتھ میں تھامی اس پیالی کو دیکھ رہا تھا۔

"خوبصورتی دنیا میں نہیں، دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے۔"

"مجھے تمہاری ان افسانوی باتوں پر بالکل یقین نہیں۔اب دیکھو، اگر میرے سامنے کوئی سیاہ فام عورت آجائے، تو کیا وہ مجھے خوبصورت لگ سکتی ہے؟ نہیں ناں؟"، موسیٰ کی تکان آہستہ آہستہ زائل ہونے لگی تھی۔وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"یہ اس لیے ہے کہ تمھاری آنکھوں میں خوبصورتی نہیں۔"، بوڑھے کے جواب نے اسے چند پلوں کے لئے لاجواب کر دیا تھا۔وہ چپ سا ہو گیا۔بوڑھا اب بھی آنکھیں ہنوز پیالی پر جمائے دھیمے لہجے میں کہتا جا رہا تھا۔

"جانتے ہو، برخوردار؟ تم مجھے ذرا بھی خوبصورت نہیں لگے۔"، بوڑھے کی بات پر موسیٰ کی بھنویں اکٹھی ہوئی تھیں۔لب بھینچ کر اس نے ناگواری سے اس بے نیاز شخص کو دیکھا تھا۔

"میرا بھی خیال تمھارے بارے میں کچھ مختلف نہیں ہے۔"، اس کے لہجے میں سرخ انگاروں کی سی تپش تھی۔بوڑھا سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"خیر۔ تم چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ جنگل میں کیوں آئے تم؟"، بوڑھے نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کسی آدمی کے چیخنے کی آواز آئی تھی مجھے۔ اس کی مدد کرنے آیا تھا۔"، بوڑھا اب پیالی واپس سے صندوق پر رکھ رہا تھا۔ موسیٰ کی بات پر مڑ کر اسے دیکھا اور پھر سر ہلاتے ہوئے واپس اس تک آیا۔

"اپنی جان کیوں خطرے میں ڈالی؟ کیا اس جنگل کی حقیقت معلوم نہیں تھی تمھیں؟"

"معلوم تھی۔"، موسیٰ نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔ "مگر ایک انسان ہونے کے ناطے میرا فرض تھا کہ میں مدد کروں۔"

"ہاہ۔"، بوڑھا سر ہلاتے ہوئے ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی نجانے کیوں موسیٰ کو عجیب سی لگی تھی۔

"جانتے ہو، برخوردار؟ یہ انسان جو ہوتا ہے ناں، بہت سنگدل ہوتا ہے۔ اس کے سامنے دوسری مخلوق تڑپ تڑپ کر مر جائے ناں، تو بھی اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انسان سے زیادہ خطرناک جانور میں نے تو آج تک نہیں دیکھا۔ یہ تم کون سے انسان ہو؟"، بولتے بولتے وہ آخر میں پھر سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ موسیٰ کے چہرے پر اب کے ایک مسکراہٹ ابھری تھی۔ گالوں کے گڑھے واضح ہوئے تھے۔

"میں نور جہاں پطرس کا بیٹا، موسیٰ وحید الرحمن ہوں۔ میں سنگدل نہیں ہوں۔"، اس نے اپنا تعارف خاصے مغرورانہ اور فخریہ انداز میں کروایا تھا۔ بوڑھے نے ایک نظر اس پر ڈال کر چہرہ پھر سے موڑ لیا۔

"میں شاہ جہان ہوں"، بوڑھے کا تعارف مختصر اور انداز سادہ تھا۔ موسیٰ نے سر ہلایا۔ "ویسے، تم نے بتایا نہیں کہ ادھر کیوں آئے؟ کیا آروح کے بارے میں سنا نہیں ہے تم نے؟"

بوڑھے کی آنکھوں میں دلچسپی نظر آئی تھی۔ موسیٰ نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔

"بتایا تو تھا۔ مصیبت میں گھرے آدمی کی مدد کرنے آیا تھا۔"، اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ اور اکتاہٹ واضح تھی۔ بوڑھے نے اس کا انداز صاف ملاحظہ کیا تھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

"کہاں رہتے ہو؟"، موسیٰ نے آنکھیں پھیر کر اسے ایک نظر سنجیدگی سے دیکھا اور پھر آنکھیں پھر سے سامنے دیوار پر ٹکا دی تھیں۔

"ضلع قیوم راہی سے آیا ہوں"، اس نے خاصی مدھم آواز میں جواب دیا تھا۔

"یہاں کیوں آئے تھے؟"، سوال فطری تھا۔ موسیٰ نے پھر سے اسے دیکھا تھا۔

"اپنی اماں جی سے ملنے۔"

"اور ابا جی کہاں ہیں تمھارے؟"، اب کے بوڑھے نے خاصی دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"اپنے گھر پر ہیں۔ اور کہاں ہوں گے؟"، اس نے جیسے جھنجھلاہٹ سے جواب دیا تھا۔

"اور تم کہاں ہو؟"، بوڑھے شاہ جہان نے بڑی دلچسپی سے انگلیاں ٹھوڑی تلے ٹکا کر پوچھا تھا۔

"میں؟"، موسیٰ اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے استہزاء سے مسکرایا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں یہاں جنابِ شاہ جہان صاحب کے کوٹھے پر ان کے ساتھ کے شرف سے فیض یاب ہو رہا ہوں۔"،اس نے نے کافی جلے بھنے انداز میں جواب دیا تو شاہ جہان سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"عجیب لگتے ہو۔"،بوڑھے نے کافی سمجھداری سے اسے دیکھتے ہوئے جواب میں کہا تھا۔موسیٰ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"عجیب لگتا نہیں ہوں۔میں عجیب ہی ہوں۔"،اس نے خاصے جتاتے انداز میں جواب دیا تو شاہ جہاں ہنس دیا۔

"کشمکش کا شکار بھی لگتے ہو۔"،اب کے موسیٰ نے خاصے عجیب سے انداز میں اسے دیکھ کر ایک ابرو اٹھائی تھی۔سر ہنوز دیوار سے ٹکا رکھا تھا۔

"تمھیں کیسے پتا؟"،اس کی حیرت بجا تھی۔بوڑھا مسکرایا۔

"اور خالی دل کے بھی لگتے ہو۔"،موسیٰ کے گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری۔آنکھوں میں ہلکی سی نمی چمکی۔

"اور؟اور کیسا لگتا ہوں؟"،اس کی آواز مدھم اور لہجہ نم لگتا تھا۔

"ایک ہارے ہوئے انسان بھی لگتے ہو۔"،موسیٰ افسردگی سے مسکرایا تھا۔آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔

"سو تو میں ہوں۔"،آواز مدھم سے مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اپنوں کے ہاتھوں ٹوٹے ہوئے۔شکست خوردہ۔واجب الحزن۔"،بوڑھا کہتا جارہا تھا اور موسیٰ سنتا جارہا تھا۔

"جانتے ہو، برخوردار؟ایک شخص کے لئے سب سے زیادہ اہم کیا ہونا چاہیے؟"،بوڑھے کی چمکتی آنکھیں اس کے چہرے پر ہی ٹکی تھیں۔موسیٰ کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

"جانتا ہوں۔اپنا ایمان،اپنا دین۔اپنی نمازیں۔"،ابھی موسیٰ مزید بولتا ہی کہ بوڑھا ہنس پڑا تھا۔ موسیٰ ٹھہر کر اسے کنفیوژن سے دیکھنے لگا۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کر رہا، برخوردار۔"،وہ سر نفی میں ہلاتا کہتا جارہا تھا۔"ایک شخص کے لئے سب سے زیادہ اہم اس کا دل ہونا چاہیئے۔دل جس شے میں لگے، جس کام کا کہے، وہ بغیر کسی چوں چراں کر لینا چاہیے۔"

"اور اگر انسان اس بات کا ہی فیصلہ نہ کر سکے کہ اس کا دل کس کام میں لگتا ہے تو؟"،اس نے خاصے کھوئے کھوئے سے لہجے میں نگاہیں بوڑھے کے چہرے پر ٹکا کر پوچھا تھا۔بوڑھے نے کچھ لمحوں تک اسے کافی پر سوچ انداز میں دیکھا، پھر سمجھ کر سر اثبات میں ہلاتا وہ ہلکا سا مسکرایا۔

نرمی سے!

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ایک کہانی سنو گے ؟"، بوڑھے نے اس کے قریب ہو کر کچھ مدھم آواز میں اسی پراسراریت سے پوچھا تو موسیٰ ایک پل کو ٹھہرا۔ پھر اگلے ہی پل سر اثبات میں ہلا دیا۔ نجانے کیوں بوڑھا شاہ جہاں اسے خاصا دلچسپ معلوم ہو رہا تھا۔

"ایک وقت کی بات ہے۔ایک بندۂ خدا اس دار فانی میں رہتا تھا۔"،اس نے خاصی نرمی سے کہانی کا آغاز کرتے ہوئے کرسی گھسیٹی تھی اور دھیرے سے اس کے قریب کرسی رکھتا بیٹھ گیا تھا۔ موسیٰ یک ٹک اسے دیکھتا اور سنتا جا رہا تھا۔

"وہ بہت خوبصورت، حسین و جمیل تھا۔اپنی برادری میں سب سے نامور۔ خاندان کا سب سے مشہور شخص۔ ہر کوئی اس کی ایک ایک ادا پر فدا تھا۔ آس پاس کے لوگوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی زبان پر اس کے نام کا ورد نہ ہو۔ ہر سو اس کے حسن، اس کے انداز، اس کے لہجے، اس کی شخصیت کا چرچہ تھا۔ کون تھا جو اسے نہیں جانتا تھا۔"

موسیٰ خاموشی سے اسے سنے جا رہا تھا۔ نجانے کیوں اسے بوڑھے شاہ جہاں کا اندازِ بیان خاصا عجیب اور انوکھا معلوم ہو رہا تھا۔اس کا اندازِ بیاں بھی اس کی شخصیت کی طرح پراسرار تھا۔

"ہر مؤنث اس کی گرویدہ تھی۔ ہر آنکھ کو وہ بھاتا تھا۔ایسے ہی ایک دن وہ ایک وادی سے گزر رہا تھا۔اکیلا تھا۔ کوئی ہمسفر ساتھ دینے کو موجود نہ تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا جب اسے دور سے قریب آتے کچھ قدم سنائی دیے۔ وہ ٹھہر کر ایک جانب کو ہو کر ایک بڑی چٹان کے پیچھے چھپ

گیا تھا۔چند ہی لمحوں بعد وادی کی پورب سمت سے ایک قافلہ نمودار ہوا۔وہ چند گھڑ سوار، چند پیدل چلتے لوگ اور ایک بگھی تھی۔ بگھی کی کھڑکی پر سرخ رنگ کے پردے گرے تھا سو اندر موجود لوگ نظر نہ آتے تھے۔۔۔ہاں مگر اس قافلے کو دیکھ کر یہ بتانا مشکل نہ تھا کہ وہ کوئی شاہی قافلہ ہے۔شاید بادشاہ یا اس کے خاندان کا کوئی شخص حالت سفر میں تھا۔"، بوڑھا سانس لینے کو ٹھہرا اور نگاہ اٹھا کر موسیٰ کو دیکھا، جو خاموش سا ہوا اسے دیکھتا جا رہا تھا۔شاہ جہاں ایک پل کو مسکرایا۔

"جبھی بادِ صبا نے اپنا کمال دکھایا اور پردہ ایک پل کو اڑا۔۔۔اور بس وہ لمحہ رک گیا۔وقت ٹھہر گیا۔ مسافر کی آنکھیں بگھی کے اندر کے منظر پر ساکت ہو کر رہ گئیں۔دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔اندر کا منظر دنیا کا خوبصورت ترین منظر تھا۔"، شاہ جہان کی آنکھیں اس پل عجیب طرح سے چمکی تھیں۔اس کی آنکھوں کی سیاہی بے طرح بڑھی تھی۔

"اس نے اس عورت کو زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا اور وہ پہلی نظر بہت کچھ کر گئی تھی۔اس ایک پل میں ہی وہ مسافر خود اپنا بھی نہ رہا تھا۔محبت جب وار کرتی ہے تو یوں ہی ناکارہ بنا چھوڑتی ہے۔مسافر بھی ناکارہ ہو گیا تھا۔وہ قافلے کے آگے بڑھتے ہی اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا تھا۔وہ کہاں جا رہا تھا؟؟ وہ بھول چکا تھا۔دل اسے کہاں لے جا رہا تھا؟ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا۔"، کوٹھڑی کی فضا میں بھی پراسراریت کوٹ کوٹ کر بھر گئی تھی۔ہر شے ساکن و ساکت سی بوڑھے شاہ جہان کی کہانی سن رہی تھی۔اس کی کہانی سب ہی کو کافی دلچسپ معلوم ہو رہی تھی۔موسیٰ سمیت۔

(رات کے تاریک آسمان تلے بچھا شاہی خیمہ لالٹینوں سے زرد و نارنجی ہو رہا تھا۔ پہرہ سخت تھا۔ سپاہی چوکنا سے چاروں طرف ہتھیار تھامے کھڑے تھے۔ مرکزی خیمے کے سامنے شہزادی دھیمے دھیمے چہل قدمی کر رہی تھی۔ سپید دمکتی رنگت، لمبے سیاہ بال جو پشت پر کھلے ہوئے تھے اور اس کی سرخ شاہی پوشاک۔۔۔ وہ اپسرا لگتی نہیں تھی، وہ اپسرا ہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی خاص کنیز تھی۔ دونوں باتیں کرتے کرتے چل رہی تھیں۔ کہ جبھی کچھ فاصلے پر کھڑے اونچے گھنے درخت کی اوٹ میں شہزادی کو کوئی کھڑا نظر آیا تھا۔ ایک جھلک دیکھی تھی اس نے بس۔ اور وہ ساکت ہو گئی تھی۔ ایسا حسن اس نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ بے اختیار وہ کنیز کی جانب گھومی تھی۔

"ذرا جا کر درخت کے پیچھے دیکھو۔ مجھے وہاں کوئی کھڑا نظر آیا۔"، کنیز تابعداری سے اس طرف گئی مگر پھر کچھ ہی پلوں میں سر نفی میں ہلاتی واپس اس کی جانب چلی آئی۔

"کوئی نہیں ہے، شہزادی۔"، نجانے کتنے ہی پلوں تک وہ اسی انداز میں کھڑی وہیں دیکھے گئی تھی۔ وہ اس کا وہم تو نہیں تھا۔ اگر تھا، تو اسے آج معلوم پڑا تھا کہ وہم اتنے خوبصورت بھی ہوا کرتے ہیں۔۔۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آواز کسی دھیمی سی مدھر دھن سے کھلی تھی۔ وہ بستر پر اٹھ بیٹھی، پھر نگاہیں گھما کر آس پاس دیکھا۔ اب کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایسے جیسے گہری خاموشی کی ایک دبیز سی تہہ ہر سو جمی ہو۔ ایک گہرا سانس لیتی وہ چلتی ہوئی میز تک گئی اور وہاں سے مشک اٹھا کر

پیالے میں پانی انڈیلنے لگی۔اسی دم وہ دھن ایک بار پھر گونجی تھی۔وہ ساکت ہوئی تھی۔پھر اگلے ہی پل پیالہ ہنوز ہاتھ میں تھامے وہ خیمے سے باہر نکل آئی۔آس پاس تمام سپاہی نیند میں غرق نظر آتے تھے۔ان کے گہرے سانسوں کے درمیان جھینگر کی سوں سوں سماعتوں میں پڑ رہی تھی۔وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتی چلی گئی۔ابھی وہ خیمے سے چند قدم ہی دور آئی تھی جب اسے کچھ دور ہلکی مدھم سی مٹی مٹی روشنی نظر آئی۔وہ ٹھٹھکی، پھر تیزی سے اس طرف بڑھی۔تھوڑی دور سے ہی اسے ایک انوکھی سی روشنی میں گھرا ایک فوارہ نظر آیا۔سفید سنگ مرمروں سے مزین اس فوارے سے نکلتا پانی ہی اس روشنی کا سبب تھا۔معلوم پڑتا تھا کہ وہ پانی ہی روشنی ہو۔وہ نہایت حیرت سے نظریں پھیر رہی تھی جب اسے فوارے کے ایک طرف ایک شخص کھڑا نظر آیا تھا۔اس کی پشت شہزادی کی طرف تھی۔اس کے سیاہ بال ہلکی لہروں کی صورت شانوں سے تھوڑے اوپر تک آتے تھے۔شاہانہ پوشاک زیب تن کیے وہ کسی سلطنت کا سلطان معلوم ہوتا تھا۔شہزادی کی آہٹ پر وہ مڑا تو اس کی سیاہ آنکھیں شہزادی کی سیاہ آنکھوں سے ٹکرائیں۔کوئی طلسم تھا جس کی پھوار ہر جانب ہوئی تھی۔جیسے آج سحر ان پر برس رہا ہو۔

"کون ہیں آپ؟"، شہزادی کہتی ہوئی قریب آئی۔وہ بغیر پلکیں جھپکائے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔وہ مسکرایا۔"راہی ہوں۔"، پھر گہرے لہجے میں بولا۔

شہزادی نے سمجھ کر سر ہلایا تھا، پھر چلتی ہوئی آ کر اس سے ذرا فاصلے پر رکی۔"یہ فوارہ یہاں کیسے آیا؟ میرے سونے سے پہلے تک تو نہیں تھا یہاں۔"، وہ مسکرایا۔ شہزادی پر جیسے اس مسکراہٹ کا سحر طاری ہوا تھا۔ اسے اپنا دل دور خلاؤں میں ڈانوڈول ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں لایا ہوں۔ پانی پینا ہے مجھے۔"، وہ سر ہلکا سا جھکا کر بولا تو اس کا دھیان بے اختیار اپنے ہاتھ میں تھامی پیالی پر گیا۔

"یہ لے لیں۔"، اس کی جانب پیالی بڑھاتے ہوئے وہ سرعت سے بولی تو وہ مسکرا دیا۔ پھر پیالی اس کے ہاتھ سے تھام کر وہ فوارے کے گرد بنی ذرا اونچی دیوار پر بیٹھ گیا۔ اس نے چہرہ فوارے پر جھکایا تو پیچھے سے اس کی آواز ابھری۔

"یہ نقش و نگار میں نے بنائے ہیں۔ اچھے لگے آپ کو؟"، وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے بے اختیار مسکرا کر چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔

"ہاں مگر آپ کی خوبصورتی نے اسے مات دے دی ہے۔"، وہ اپنے سابقہ لہجے میں بولا تو وہ مسکرا دی۔

"اس پانی سے روشنی کیوں پھوٹ رہی ہے؟"، اب کے وہ تجسس سے پوچھ بیٹھی۔ وہ اس کی طرف گھومتا ہوا مسکرایا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کی سیاہی حد درجہ بڑھ جاتی تھی۔

"یہ میرے دل کا عکس ہے۔اسی لیے آپ کو دیکھ کر روشن ہو جاتا ہے۔"،اس کی اس بات پر شہزادی پل بھر کو ٹھہرنے کے بعد زور سے ہنس پڑی تھی۔

"اف!اتنی شاعرانہ بات۔۔۔یاخدا!"،وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی جا رہی تھی۔اور وہ اسے ہنستا دیکھ مسکراتا جا رہا تھا۔

"شہزادی۔"،جبھی کنیز کی پکار پر وہ ایک دم سے پیچھے مڑی۔"اس پہر یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟"، وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں۔۔۔"،کہتے ہوئے وہ فوارے کی طرف مڑی تھی مگر ایک جھٹکا ہی تو لگا تھا اسے۔وہاں کوئی فوارہ،کوئی روشنی،کوئی راہی نہیں تھا۔بس ایک گہرا اندھیرا۔وہ ساکت سی منہ کھولے کھڑی رہ گئی تھی۔تبھی کنیز چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"آپ بغیر چادر کے یہاں کھڑی ہیں۔شکر ہے کہ تمام سپاہی سو چکے تھے۔ورنہ کہرام ہی مچ جاتا۔"، وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تیزی سے خیمے کی طرف بڑھتی بولتی جا رہی تھی۔اور شہزادی ساکت و ساکن سی چلتی جا رہی تھی۔یہ کیا ہوا تھا؟)

"وہ بادشاہ کی بڑی بیٹی۔۔۔"،بوڑھا ایک پل کو ٹھہرا تھا۔آنکھیں موسیٰ کے چہرے پر جمی تھیں۔

"ارمحینہ بنت غازیان تھی۔"

اور یہاں موسیٰ ایک پل کو ٹھہرا تھا۔آنکھوں میں ناسمجھی ابھری تھی۔وہ اس کے کچھ قریب آیا تھا۔

"یہ کہانی حقیقت پر مبنی ہے یا بنائی ہوئی ہے؟"

بوڑھا مسکرایا تھا۔

"لوگ تو کہتے ہیں کہ کہانی بنائی ہوئی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اس کہانی کا ہر ایک حرف سچا ہے۔ بالکل سچا۔ حقیقت پر مبنی۔"، اس نے جس اعتماد سے کہا تھا، موسیٰ کو بھی یقین سا ہو چلا تھا کہ یہ کہانی واقعی حقیقی ہے۔ اس کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ جبھی دماغ میں یکدم ہی کچھ کلک کیا اور اس کی نگاہوں نے فوراً اس صندوق پر پڑی پیالی کی جانب سفر کیا تھا۔

"ایک منٹ۔ یہ پیالی تمھیں تحفے کے طور پر دینے والی کا نام بھی تو ارمحینہ تھا ناں۔۔۔ کیا شہزادی ارمحینہ؟"، موسیٰ نے آنکھیں سکیڑ رکھی تھیں۔ چہرے پر سوال درج تھا۔ شاہ جہان مسکرایا تھا۔

"ہاں! میری ارمحینہ بھی شہزادی ہی تو تھی۔ خوبصورت، حسین۔"، اس کی آنکھوں میں محبت کے جگنو رقص کرتے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ لبوں پر ایک منفرد سی مسکراہٹ تھی۔ موسیٰ نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔"، جبھی کچھ بولتے بولتے بوڑھا یکدم ہی ٹھہرا اور موسیٰ کو مخاطب کیا۔

"کیا؟"

"تمھیں کس نے توڑا؟"، اور موسیٰ کے اندر اس پل ایک ابال سا اٹھا تھا۔ آنکھیں فوراً ہی سرخ پڑ کر دہکنے لگی تھیں۔ اس نے دہکتی آنکھیں شاہ جہان کے چہرے پر جمائی تھیں۔

"مجھے۔۔؟"،اور اس نے ایک گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کرنا چاہا تھا۔آنکھیں بے اختیار ڈبڈباتی چلی گئی تھیں۔ان آنکھوں میں کئی سالوں پرانے بہت سے مناظر کسی فلم کی مانند جھلملائے تھے۔وہ تمام مناظر سرد تھے۔سفاک تھے۔انہی سرد مناظر کے درمیان ایک منظر بڑے ٹھاٹھ سے ابھرا تھا۔ایک سرد، جسم و دماغ کو جماتا منظر۔۔۔

(ڈوبتی شام کا نظارہ تھا۔سوات، کلام میں واقع ایک دو منزلہ گھر کے صحن کا منظر ہے۔ صحن کے چاروں اطراف ایک اونچی سی پتھریلی دیوار بنی تھی۔ باؤنڈری کے وسط میں کھڑے گھر کے دروازے کے باہر کچھ فاصلے پر ایک بچہ کھڑا نظر آتا تھا، جس کی عمر تقریباً دس بارہ سال لگتی تھی۔ آسمان سے برف کے گالے پے در پے زمین بوس ہوتے جا رہے تھے۔ صحن میں اس کے علاوہ کوئی زی روح نہ دکھتی تھی مگر ایک اور شے تھی جو اس کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔۔۔اور وہ شے تھی۔۔۔

ڈر۔۔۔وہ خوف جو اسے اپنی ہڈیوں میں سرایت کرتا محسوس ہو رہا تھا۔یوں گویا وہ اس کا جسم سن کرتا جا رہا ہو۔اس کے ہونٹ اب نیلے پڑنے لگے تھے۔ جسم ہر کچھ لمحوں بعد ہچکولے کھاتا تھا۔آنسو اب سوکھ چکے تھے مگر سسکیاں اور ہچکیاں اب بھی جاری تھیں۔سانس اکھڑی اکھڑی سی معلوم ہوتی تھی۔

اس کی پشت پر بند دروازے کے بائیں جانب کچھ فاصلے پر لگی کھڑکی سے اندر کا گرم، زرد سا منظر نظر آتا تھا۔ مگر اس گرمائش کو پس پشت ڈالے بھی وہاں کوئی تھا جس کی نگاہیں اسی پر اٹکی تھیں۔ جس کے لیے یہ گرمائش بھی بے معنی تھی۔ کہ جو بے بسی اور خاموش چیخوں کی قید میں شیشے سے سر ٹکائے کھڑی تھی۔

اسی شیشے کی کھڑکی کے نچلے حصے میں صحن کی طرف ایک لمبی پتلی ڈنڈی دیوار کے ساتھ کھڑی کی گئی تھی، گویا وہ بھی ایک پرانی ساتھی ہو۔ برف اس پر بھی جمی ہوئی تھی۔ اس گھر اور صحن کا کونہ کونہ ہر ایک شے کا گواہ رہا تھا۔ شروع سے۔ گھر کو جاتے دروازے کے باہر جمی برف پر بوٹوں کے گہرے نشان اب بھی تازہ تھے۔

انہی نشانوں تلے اس گھر میں رہنے والے لوگوں کے جذبات دبے ہوئے تھے۔ اس خاندان میں رحم وراثت میں کبھی نہیں ملا کرتا تھا۔ یہاں بس اصول ملتے تھے، ضد اور ہٹ دھرمی ملتی تھی، یہ یقین ملتا تھا کہ درد انسان کو مضبوط کرتا ہے، چاہے انسان کے اندر ہر ایک جذبہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

موسیٰ نے پلکیں جھپکائیں۔ اور ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے وہ وہاں اکیلا نہیں تھا۔ اس کے عین سامنے کوئی کھڑا تھا۔ لمبا چوڑا بھوری آنکھوں والا موسیٰ۔ سوکھی ہوئی آنکھوں میں ایک سرد سا تاثر

لیے، لب ایک سیدھی لکیر میں سیے، ہاتھ پشت پر باندھے۔ برف کے گالے اس وجود پر نہیں گر رہے تھے۔ تب ہی ایک تیز ہوا کے جھونکے کے ساتھ وہ سایہ بھی بکھر کر غائب ہو گیا۔

موسیٰ نے بڑھتی ٹھنڈ کے باعث بازو سینے پر لپیٹے تھے۔ وہ بس زندہ رہنا سیکھ رہا تھا، جینا نہیں!)

"میرا ایمان بہت کمزور ہے، شاہ جہان۔۔۔ ہر مشکل پر ڈگمگا جاتا ہے۔"، وہ آنکھوں کی نمی کو دھکیلتا ہوا سر اٹھا کر اس سے بولا تھا۔ "مجھے ایمان کو سنبھالنا نہیں آتا۔ یا شاید ایمان رکھنا ہی نہیں آتا۔"

شاہ جہان اسے خاموش نظروں سے تکے گیا تھا۔ جیسے وہ چاہتا ہو کہ وہ بولتا رہے۔ دل کی بات کہتا رہے۔

"شاہ جہان، انسان کی زندگی میں اچھے لوگوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسے اچھے لوگ جو جب انسان بھٹکنے لگے، اسے ہاتھ سے پکڑ کر واپس صحیح راستے کی جانب لے آئیں۔ میری زندگی میں جو ایک اچھا انسان تھا، اس سے میں نے فاصلہ کر لیا۔ میں نے نماز پڑھنا چھوڑ دی۔ قرآن شیلف کے اوپری خانے میں رکھ دیا۔ روزے رکھنے چھوڑ دیئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ میں ملحد بن گیا تھا۔ سوچتا تھا کہ اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا کے لوگوں کے ساتھ اتنی ناانصافی نہ ہوتی۔ میں مسلمان نہیں رہا تھا۔ بلکہ میں تو انسان بھی نہ رہا تھا۔ میں ایک حیوان بن گیا تھا۔"

"اور اب؟"، موسیٰ ابھی اور بھی کچھ کہتا کہ شاہ جہان نے یکدم ہی پوچھا۔ موسیٰ نے اپنے بھیگے رخساروں اور متورم آنکھوں سمیت اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔

"شاید اب بھی میں حیوان ہی ہوں۔ شاید! شاید ہاں!"، وہ عجیب طریقے سے سر اثبات میں ہلا رہا تھا۔

"کیا واقعی؟"، بوڑھے شاہ جہان نے مسکرا کر ابرو اچکائی۔ موسیٰ نے انہی بھیگی آنکھوں سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"مگر ابھی کچھ دیر پہلے تو تم نے کہا تھا کہ تم ایک انسان ہو۔"، بوڑھا اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتے بولا تھا۔ موسیٰ ٹھہر سا گیا۔ وہ واقعی کنفیوژن کا شکار تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ میں انسان ہوں یا جانور۔ میں۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ کچھ بھی نہیں۔"، وہ عجیب گھبراہٹ سے کہہ رہا تھا۔ عجیب سی کیفیت کے زیرِ اثر اس نے اپنے بازو اپنے دونوں گھٹنوں کے گرد باندھ کر گھٹنوں پر اپنی ٹھوڑی ٹکائی تھی۔ آنکھوں میں بھی عجیب سی بے چینی دکھتی تھی۔ چہرے کے تاثرات اس کے اندر پلتی جنگ کی خبر دے رہے تھے۔

"کیا اپنا آپ نامعلوم ہے تمھیں؟"، بوڑھے کی پراسرار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے جھٹ سے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں خود ہی نامعلوم ہوں۔"، وہ عجیب طریقے سے انتہائی مدھم آواز میں بولا تھا۔

بوڑھا شاہ جہان مسکرایا۔ وہی پراسراریت بھری مدھم سی مسکراہٹ۔

"جانتے ہو کہ انسان کو اس دنیا میں کیوں بھیجا جاتا ہے؟"، موسیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر نم پڑتی آنکھیں اس کی جانب پھیری تھیں۔

"اللہ کی عبادت کے لئے۔"، موسیٰ کا جواب واضح تھا۔ بوڑھا مسکرایا۔

"ہاں یہ تو ہے مگر میں کسی اور حوالے سے پوچھ رہا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمھیں اس دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟"، نرمی سے سوال داغا گیا تو موسیٰ خاموش سا ہو گیا۔

"ہر انسان کو اس دنیا میں کسی مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے۔ انبیاء کا مقصد دین پہنچانا، صحابہ کا مقصد دین پھیلانا، کسی رہنما کا مقصد لوگوں کی فلاح، طبیب کا مقصد نوع انسانی کا علاج، کسی انسان کا مقصد معاشرے کو بہتر بنانا، کسی کا مقصد کیا، تو کسی کا کیا ہوتا ہے۔ تم بتاؤ کہ تمھارا اس دنیا میں آنے کا کیا مقصد ہے؟"

"پتا نہیں۔"، خاموش و سن پڑی کوٹھڑی میں اس کی مدھم سی آواز گونجی تو شاہ جہان مسکرا اٹھا۔

"تو پہلے یہ تو پتا کرو کہ تم یہاں آئے کس لیے ہو؟ پھر آگے کا لائحہ عمل ترتیب دو۔ اپنے مقصود ٹھکانے تک پہنچو۔"، شاہ جہان نے خاموش ہو کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"اپنا مقصد کیسے پتا کروں؟"، اس کے سوال پر وہ چند لمحوں کے لئے اسے دیکھے گیا، اور پھر سر جھٹک کر ہنس دیا۔

Clubb of Quality Content

"آسان ہے۔بہت آسان۔۔۔پہلے دماغ پر زور ڈالو اور سوچو کہ تمھیں کون سا کام کر کے راحت ملتی ہے۔ تمھارے دل کو اچھا محسوس ہوتا ہے۔ تمھاری روح کو راحت ملتی ہے۔"

"مجھے تو صرف ابا جی کو ستا کر راحت ملتی ہے۔جو کچھ انہوں نے ساری زندگی کیا،اس کے بدلے میں ان کی پریشانی مجھے اچھی لگتی ہے۔"،اور اس لمحے اس کی یہ بات سن کر شاہ جہان نے اقرار کیا تھا کہ ہاں واقعی! انسان ظالم ہے۔بہت ظالم!

"اونہوں! یہ راحت تو نہیں۔"،شاہ جہاں نے اسی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر نفی میں ہلایا تھا۔

"تو پھر کیا ہے؟"،اس کے سوال میں نا سمجھی تھی۔

"خوشی ہے۔"

"وہی مطلب ہوا ناں۔"،اس نے سر جھٹکا تھا۔شاہ جہان نے ہلکا سا مسکرا کر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"خوشی اور راحت میں فرق ہوتا ہے۔خوشی وہ سکون ہے جو اپنے دماغ کو پر سکون کر کے،اپنے نفس کو مطمئن کر کے،اپنے دل میں جلتی آگ کو ٹھنڈا کر کے ملتا ہے۔اور راحت۔۔۔"،اس نے گہرا سانس لیا تھا۔"راحت وہ گرمائش ہے جو دل پر عمل کر کے نصیب ہوتی ہے۔جو ضمیر کو مطمئن کر کے ملتی ہے۔جو آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتی ہے۔روح کو آرام دیتی ہے۔"،وہ خاموش ہوا تو سارے میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ایک سکوت۔

اور اس سکوت میں خلل پھر سے شاہ جہان کی آواز نے ڈالا تھا۔

"تم اپنی راحت تلاشو۔ راحت میں خوشی خود مل جائے گی۔ اور یقین مانو، دل مطمئن کر کے جو راحت نصیب ہوتی ہے، وہ زیادہ سکون بخش ہوتی ہے۔"، شاہ جہان نرمی سے بولتا موسیٰ پر گویا ایک سحر سا پھونک رہا تھا۔ موسیٰ وحید بھی مسحور سا اسے سنتا جا رہا تھا۔ اس کے الفاظ بہت خوبصورت تھے۔ سیاہ آنکھیں بہت چمک رہی تھیں۔

"مخلوقِ خدا مصروف جہاں رہتی ہے۔ پھر کہتی ہے کہ سکون نہیں۔ کوئی تو بتائے ان نفس پہ ظلم ڈھانے والوں کو کہ سکون ایسے ہی نہیں مل جایا کرتا۔ نفس کے شر کے پل صراط سے گزر کر سکون کی جنت ملا کرتی ہے۔"، موسیٰ کو اپنی ماں کی کہی بات یاد آئی تو اس نے چہرہ پھیر کر نگاہیں سامنے نارنجی پڑتی دیوار پر جماتے ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کیا تھا۔

"مگر صرف مقصد جان کر اس کی تکمیل کر لینے سے جنت تو نہیں مل جایا کرتی ناں؟ جنت کے لئے تو محنت کرنی پڑتی ہے۔ ہے ناں؟"، اس نے چہرہ پھر سے شاہ جہان کی جانب موڑا تھا۔

"صحیح کہتے ہو، برخوردار۔ جنت محنت سے ملتی ہے۔ اور جانتے ہو محنت کیسے کرتے ہیں؟"، اس نے پوچھا تو موسیٰ نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ بوڑھا مسکرایا تھا۔

"محنت طاقت مانگتی ہے۔ قوت اور حوصلہ بھی۔ ہمت اور جستجو بھی۔ اور ایک مومن کو مومن کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے۔ ایمان اور اعمال محنت ہیں اور جنت اس کا پھل۔"، اس کی باتیں بہت حسین تھیں۔ موسیٰ مسحور سا اسے سنتا جا رہا تھا۔

"مگر ایمان کو مضبوط کیسے کریں؟ ہم انسان تو خطا کے پتلے ہیں۔ ذرا سا کچھ ہو جائے تو ہمارا ایمان ڈگمگانے لگتا ہے۔ اپنی اس عادت پر کیسے قابو پائیں؟"، موسیٰ نے بہت ہی کم ہمتی سے شاہ جہان کو دیکھ کر پوچھا تو وہ ایک بار پھر مسکرا دیا۔

"جانتے ہو، برخوردار؟ ایمان ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ یہ فطری ہے کہ جب اللہ ہمیں ہماری خواہش سے نوازے تو ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور جب وہ ہم پر کوئی امتحان بھیجے، تو ایمان کم ہونے لگتا ہے۔ ہر کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ مشکل کے کڑے وقت میں بھی ایمان پر ثابت قدم رہے۔ مگر بہترین وہ ہے جو خود کو ثابت قدم رکھنے کی کوشش و نیت کرے۔"، شاہ جہان نے اپنی بات مکمل کی تو موسیٰ دھیرے سے مسکرایا۔ پھر ذرا سا جھک کر اس سے کچھ قریب ہوا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ایمان constant نہیں، variable ہے۔ ہے ناں؟"، موسیٰ کی بات پر شاہ جہان نے لاعلمی سے شانے اچکائے تھے۔

"شاید!"، موسیٰ ایک بار پھر مسکرایا۔

"انسان کی زندگی میں ایک ایسا پوائنٹ آتا ہے جب اس کا اس دنیا کے تمام رشتوں سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اسے کوئی اپنا نہیں لگتا۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ اسے یہ دنیا ہی اپنی نہیں لگتی۔ ایسے وقت میں اس کا دل چاہتا ہے کہ اللہ اس کی زندگی ختم کر دے۔ اسے اس دنیا کے شکنجے سے نکال لے جائے۔"، آواز مدھم اور انداز شکست خوردہ تھا۔ شاہ جہاں اسے دیکھتے نرمی سے مدھم سا مسکرایا۔

"جب انسان اس دنیا سے ہیں ہی نہیں تو یہ دنیا انہیں اپنی کیسے لگ سکتی ہے؟ انسان جنت کے لئے بنا تھا۔ اس کی اپنی غلطی اسے اس دنیا تک لے آئی تھی۔ انسان اپنی جنت خود اپنے ہاتھوں سے گنوا دیتا ہے اور پھر اس کڑواہٹ کی دنیا میں آ گرتا ہے۔"، شاہ جہان کا لہجہ آنچ لیے ہوئے تھا۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

کوٹھری کی فضا میں یکدم ہی سوگواریت کا اضافہ ہوتا محسوس ہوا تھا۔ موسیٰ نے فوراً ایک گہرا سانس لیا۔

" صحیح کہہ رہے ہو۔۔۔ انسان اپنی جنت خود اپنے ہاتھوں سے ہی کھو دیتا ہے۔ پھر سکون کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔"، اب کے وہ بولا تو لہجے میں گھلی نمی کافی حد تک بڑھی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ چہرہ ستا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔

"میں نے اپنے اعمال اور اپنا ایمان کھو دیا تھا، اور پھر سکون کی جنت کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا۔ انسان واقعی میں نادان ہوتا ہے، شاہ جہان۔ تم صحیح کہتے ہو۔ انسان سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہے۔ یہ بھی صحیح کہتے ہو۔ اور جانتے ہو کیا؟ انسان سب سے زیادہ ظلم بھی خود پہ ہی کرتا ہے۔"، اس کے کہنے پہ شاہ جہان نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میری زندگی میں جو کچھ ہوا ہے، اس نے آج تک میرا ایمان صرف کمزور ہی کیا ہے۔ کچھ لمحات میں تو ختم تک کر دیا تھا شاید۔ میں جب خود کو آئینے میں دیکھتا ہوں تو جی ہی نہیں چاہتا دیکھنے کا۔ مجھے اپنے

چہرے پر صرف کرختگی، سختی، بے ایمانی نظر آتی ہے۔دل اور ایمان کی نرمی تو آج تک دیکھی ہی نہیں میں نے اپنی آنکھوں میں۔"، وہ سر جھکائے دھیرے دھیرے شرمندگی سے بتا رہا تھا۔

"ایمان ہوتا بھی تو مومن ہی کا ہے ناں۔"، شاہ جہان ایک دم سے بولا تو موسیٰ ٹھہر سا گیا۔"کسی نے کہا ہے کہ بھٹکتا بھی تو مومن ہی ہے۔۔۔مگر کامیاب وہ ہے جو بھٹکنے کے بعد سیدھی راہ پھر سے ڈھونڈ نکالے اور اس پر گامزن ہو جائے۔۔۔اور جو بھٹکنے کے بعد غلط راستے پر چلتا رہے، وہ ناکامی کے راستے پر چل رہا ہوتا ہے، حقیقتاً۔"، ہلکی سی نرمی کے ساتھ اس سے کہا تو موسیٰ نے سرخ پڑتی آنکھیں اس کی جانب پھیریں۔ان میں ابھی اور بھی سوال پنہاں تھے۔

"باتیں کرا اور سن تو سب لیتے ہیں، مگر عمل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، شاہ جہان۔"، بظاہر تو وہ شاہ جہان کو یہ باتیں بتا رہا تھا مگر اس کے جملے میں پنہاں سوال شاہ جہان کو خوب سمجھ آ گیا تھا۔وہ مسکرایا۔

"جانتے ہو، مخلوقِ خداوند کا ٹھکانہ کیا ہے؟"

"ہوں۔جنت۔"

"اور جنت کیسی ہوتی ہے؟"

"خوبصورت۔سکون بخش۔کامل۔"

"جنت کیسے ملتی ہے؟"، اب کے شاہ جہان مسکرایا تھا۔وہ جانتا تھا کہ موسیٰ مکمل جواب نہیں دے گا۔

"اعمال سے ملتی ہے۔"، موسیٰ نے اپنے اسی شکست خوردہ اور شرمندہ سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"اعمال کا دارومدار کس چیز پر ہے، موسیٰ؟"

اور موسیٰ وحیدالرحمٰن ساکت ہوا تھا۔ پتلیاں ٹھہری تھیں۔ آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔۔۔

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، موسیٰ۔"، اور نیم روشن کوٹھڑی میں ایک عجب سا سکوت چھا گیا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شاہ جہان پھر سے بولا۔

"نیت نیکی کی ہو تو ثواب دلوا ہی دیتی ہے۔ اپنی نیت اچھی رکھا کرو، برخوردار۔ اعمال خود سدھرنے لگ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے خود کو گرا کر خاک کر دیا کرو۔ اپنا غرور، اپنی انا، سب ڈھیر کر دیا کرو۔ خود کو اس ذات کے حوالے کر دیا کرو۔ اعمال خود سدھرنے لگ جائیں گے۔"

موسیٰ کے حلق میں گلٹی ڈوب کر ابھری تھی۔ جنگل میں دور کہیں سے بھیڑیوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ رات کا اندھیرا کافی حد تک پھیل چکا تھا۔

"جنت اور دوزخ ہمارا اصل مقدر ہوتی ہیں۔ مقدر دائمی ہوتا ہے۔ جنت اور دوزخ بھی تو دائمی ہوتی ہیں ناں۔"، وہ ایک بار خاموش ہوا تو موسیٰ کی آنکھ سے ایک گرم گرم آنسو بہتا گال پر لڑھکتا چلا گیا۔

"جانتے ہو برخوردار؟ دنیا میں آدھے لوگ آسائشوں اور آدھے سکون کے پیچھے بھاگتے ہیں مگر پتا ہے کیا؟ یہ دونوں ہی ایک سے ہوتے ہیں۔ دونوں کو اپنا آپ، اپنی خواہشیں، اپنی خوشیاں عزیز ہوتی

ہیں۔ مخلوق سنگدل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مطلب پرست بھی ہے۔ وہ تو عبادت بھی اپنے مطلب کے لیے کرتی ہے۔"، اس نے ابھی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ موسیٰ ایک بار پوچھ بیٹھا۔

"کیا مطلب؟"، شاہ جہان گہرا سانس لے کر مسکرایا تھا۔

"مطلب یہ کہ خود کو جہنم سے بچانے کے لئے کرتی ہے عبادت۔۔۔ شاید ہی لاکھوں میں سے کوئی ایک ہو جو محض حب اللہ کے لئے عبادت و بندگی کرتا ہو۔"، اور شاہ جہان کے جواب پر موسیٰ چند پلوں کے لئے ٹھہرا تھا۔

"انسان کیسے سدھارے خود کو؟"، اب کے اس کے پوچھے جانے والے سوال پر شاہ جہان سر جھٹک کر ہنس پڑا تھا۔

"مخلوق صرف ایک طریقے سے خود کو سدھار سکتی ہے۔ جہاد بالنفس کر کے۔ جہاد بالا کبر کر کے۔ اور کوئی طریقہ میرے نزدیک تو نہیں۔"، اس نے آخر میں ہلکے سے شانے اچکائے تھے۔ موسیٰ نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ویسے موسیٰ۔۔۔ ایک بات تو بتاؤ۔ کیا تمھیں یہ لگتا ہے کہ سب صرف انسانوں کے لئے ہے؟"، موسیٰ نے ناسمجھی سے شاہ جہان کو دیکھا۔ اسے اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"مطلب کیا ہے تمھارا؟"، اس کے سوال پر شاہ جہان اسی پراسرار طریقے سے مسکرایا تھا۔

"مطلب یہ ہے کہ جنت، دوزخ، اعمال، عبادت، نیتیں، جہاد۔ یہ سب صرف انسانوں کے لئے نہیں ہے۔ جنات کے لئے بھی ہے۔ جانتے ہو؟ روزِ قیامت جنات کا بھی ویسے ہی حساب ہو گا جیسے انسانوں کا ہو گا۔"، اور موسیٰ وحید کی آنکھیں اس سارے میں پہلی دفعہ حقیقی معنوں میں پھیلی تھیں۔ شاہ جہان اب بھی کہہ رہا تھا۔

"سورۂ رحمٰن میں واضح طور پر رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ دنیا صرف انسانوں کے لئے نہیں، جنات کے لئے بھی بنائی گئی ہے۔"، موسیٰ نے اب کے ایک گہری نظر شاہ جہان پر ڈالی تھی۔ وہ اب ہاتھ جھاڑتا کھڑا ہو رہا تھا۔ مڑ کر پھر سے ان پیالیوں کے پاس جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ارمحینہ کی دی ہوئی پیالی اٹھائی تھی۔

"جانتے ہو موسیٰ؟ ارمحینہ بنت غازیان بہت حسین تھی۔ اور مسافر ایک دیوانہ جو اس کے بے پناہ حسن کا گرویدہ بن گیا تھا۔ وہ قافلے کا پیچھا کرتے کرتے دوسرے شہر جا پہنچا تھا۔ راستے میں قافلہ روکا گیا تھا۔ شہزادی کے آرام کا وقت تھا۔ سب پہرے دار مستعد سے کھڑے تھے مگر وہ مسافر بہت شاطر تھا۔ اپنا بھیس پوری طرح بدل کر وہ شہزادی کے پاس جا پہنچا تھا۔۔۔ اور مسافر کے حسن نے بھی جادو کی چھڑی گھمائی تھی۔ شہزادی ارمحینہ بنت غازیان بھی اس کی دیوانی بن گئی تھی۔"، اس کا انداز اور لہجہ ایک بار پھر پہلے کی طرح مدھم اور دھیما سا ہو گیا تھا۔ نیم روشن کوٹھڑی کی فضا میں پراسراریت رچ بس گئی تھی۔ موسیٰ سانس روکے اسے سنتا گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

(سفر کے دوران بگھی میں بیٹھی شہزادی ارمحینہ اداسی سے پردہ ذرا سا سرکائے، باہر دیکھ رہی تھی۔

فوارے کے پاس اس سے ملنے کے بعد سے وہ دوبارہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔ وہ کیا واقعی اس کا کوئی وہم تھا؟ مگر ایسا حقیقی وہم اس نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

نگاہیں یوں ہی لاشعوری طور پر باہر نظر آتے مناظر پر اٹکی تھیں جب ایک دم ہی وہ ذرا سیدھی ہوئی۔

آگے دور ایک درخت سے ٹیک لگائے کوئی کھڑا تھا۔ شاہی پوشاک میں ملبوس، وہی ہلکی لہروں جیسے ذرا لمبے بالوں والا، سلطانوں کی سی شان والا۔۔۔ وہ اسے ایک ہی نظر میں پہچان گئی تھی۔ وہ سینے پر بازو لپیٹے، نہایت فرصت سے مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہزادی خوشگواریت بھرے احساس میں گھر گئی تھی۔ اس کی نظروں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ نشست پر پیچھے ہو بیٹھی۔ اب کے لب مسکرا رہے تھے۔ تب ہی بگھی کی پشت پر آتی گھوڑوں کی آواز قدرے بلند اور تیز ہوئی تھی۔ وہ یونہی بیٹھی رہی۔ وہ پہرے دار ہی ہو گا کوئی جو گھوڑے پر آتے رفتار تیز کر گیا ہو گا۔ مگر اسی دم ایک تیز ہوا کے جھونکے سے پردہ پوری طرح سے کھڑکی سے ہٹا تھا۔ ساتھ ہی گھڑ سوار کھڑکی کے سامنے آیا تھا۔

وہ وہی تھا۔ سپاہی کے کپڑوں میں ملبوس، مگر الگ ہی شان لیے۔ وہ مسکرا کر گھوڑے پر سوار، چہرہ موڑے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی کھڑکی پر ہاتھ رکھے ذرا قریب ہوئی تھی۔

"تم کہاں تھے، راہی؟ تم حقیقت ہو ناں؟ یا میرا ایک وہم یا کوئی خواب ہو؟"، وہ تیزی سے ایک ہی سانس میں بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"میں حقیقت ہوں اور آپ کے ساتھ ہی ہوں۔"، شہزادی نے بے اختیار خوشی سے اسے دیکھتے سر کو خم دیا تھا۔ "مجھے اس روپ میں صرف آپ دیکھ سکتی ہیں۔ باقیوں کے لیے میں ایک سپاہی ہوں۔"، وہ بولتا ہوا تیزی سے گھوڑا دوڑاتا بگھی سے آگے نکل گیا تھا۔ شہزادی کی مسکراہٹ اب کے لبوں سے جدا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ بگھی قدرے ہلکی رفتار سے چل رہی ہے۔ اس نے چونک کر کھڑکی سے باہر دیکھا تو شام ڈھل رہی تھی۔ اب ان کو کہیں پڑاؤ ڈالنا تھا۔ رات میں سفر کرنے کا بادشاہ نے سختی سے منع کیا تھا۔)

"جب قافلہ آگے کے لئے رواں ہوا تو مسافر بھی بھیس بدلے قافلے کے ساتھ رواں تھا۔ دن گزرتے گئے۔ چند ماہ بعد شہزادی کی واپسی ہوئی تو اس کے ساتھ ہی مسافر محل تک پہنچا۔"، اب کے وہ سانس لینے کو رکا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سیاہی حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ وہ اب بھی اسی کیفیت کے زیرِ اثر کہتا جا رہا تھا۔

"وہ سائے کی مانند اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ان ہی دنوں شہزادی کے بھائی، سلطان یحییٰ بن غازیان، نے شہزادی کی شادی دوسری ریاست کے شہزادے سے طے کر دی۔ یہ آپسی تعلقات استوار کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔ شہزادی کو خبر ہوئی تو اس نے بادشاہ سے خوب بحث کی اور اسے

صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ راہی کو پسند کرتی ہے۔ بادشاہ سکتے میں چلا گیا تھا۔ شہزادی غصے میں اپنے کمرے میں آئی اور خود کو بند کر لیا۔ رات کے پہر راہی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ آنسوؤں سے تر چہرہ لیے یوں ہی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔"، بولتے بولتے شاہ جہان کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ اس کی آواز میں لرزش صاف محسوس ہوتی تھی۔

"ارمحینہ راہی کو بادشاہ سے ہوئی تمام گفتگو بتانے لگی تو اس نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ سب ٹھیک کر دے گا۔" وہ لمحہ بھر رکا، جیسے الفاظ بوجھ بن گئے ہوں۔ "وہ اس کی تسلی سے مطمئن ہو گئی تھی۔۔۔ مگر اسی پہر انہیں پتا بھی نہ چلا اور کہیں سے ایک تیر آ کر سیدھا ارمحینہ بنت غازیان کے سینے میں پیوست ہو گیا۔"

موسیٰ خاموش بیٹھا سنتا رہا، جیسے ایک لفظ بھی ضائع کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔

"شہزادی کو بادشاہ کے حکم پر قتل کیا گیا تھا۔ بادشاہ کی انا کو تسکین شہزادی کی موت سے ملی تھی۔ شہزادی نے راہی کے ہاتھوں میں دم دیا تھا۔ وہ اذیت ناک لمحہ اسے اپنی آگے آنے والی ساری زندگی یاد رہنا تھا۔ راہی نے اس کے قاتلوں کو ہولناک سزا دی تھی۔ مگر وہ ارمحینہ کو واپس نہیں لا سکتا تھا۔ وہ زندگی اور دنیا سے روٹھا ہوا ایک۔۔۔"، شاہ جہان نے گہری سیاہی میں ڈوبی آنکھیں اٹھا کر موسیٰ کو دیکھا تھا۔ اس کا بوڑھا چہرہ اس پل نہایت کریہہ محسوس ہوا تھا۔ "ایک جن زادہ، ساری عمر اب اس ہی غم میں بیتانے والا تھا۔ کتنا ظالم تھا ناں خدا۔ چاہتا تو ارمحینہ کو بچا سکتا تھا۔ اتنا ظلم!"

وہ بول کر خاموش ہوا تو چند پلوں کے لئے گہری خاموشی چھائی رہی۔اس پورے وقت میں موسیٰ وحید کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے تھے۔سانس بہت جگہوں پر تھما تھا۔آنکھیں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔بہت دیر بعد وہ کچھ کہنے کے قابل ہوا تو ایک گہرا سانس لے کر ذرا قریب ہوا۔

"لوگ تھے ظالم۔خدا ظالم نہیں ہوتا۔یہی بات تو سیکھی ہے آج میں نے۔"،اور یہاں موسیٰ وحید کی ایک بات شاہ جہان کو اپنی تمام باتوں پر بھاری محسوس ہوئی تھی۔وہ تو ساری زندگی رب سے ناراض رہتا آیا تھا۔سوچتا تھا کہ اتنا غلط تو کسی کے ساتھ نہیں ہوا کرتا۔اتنی دیر سے ایمان کے بھرم میں لپٹی اس کی شخصیت کا کریہہ پہلو یکدم ہی سامنے آیا تھا۔وہ موسیٰ کو ایمان کی باتیں بتا کر خود ایمان سے خائف تھا۔

"ویسے بھی جو برا ہوا،شہزادی ارمحینہ کے ساتھ ہوا۔راہی نے تو بدلہ پورا لے لیا ناں۔"،موسیٰ کی اگلی بات پر اس نے سیاہ آنکھوں کو اس کی جانب اٹھایا تھا۔ان میں کیا تھا جو موسیٰ کا دل لرزا گیا تھا،وہ سمجھ نہیں پایا۔

موسیٰ وحید کے ساتھ ہوئی اس ملاقات نے اس کا سالوں کا تاثر توڑ دیا تھا۔بدل دیا تھا۔ایک جملہ ہی کافی تھا بس۔نجانے کتنے ہی لمحے دونوں کے بیچ آکر خاموشی سے گزر گئے۔بہت دیر بعد شاہ جہان کی آواز کوٹھڑی میں گونجی تھی۔

"تم اب مجھے پہلے سے بہتر لگ رہے ہو۔اب جاؤ تم۔میرے آرام کا وقت ہے۔"،اس نے بہت ہی عجیب انداز میں بولا۔اس کے لہجے سے نرمی عنقا تھی۔اب وہاں محض ایک بے چینی سی تھی۔موسیٰ سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔اس کو ٹھڑی میں اور رکنے کی چاہ اسے بھی نہ تھی۔عجیب گھٹن سی ہونے لگی تھی۔وہ سر جھکا کر پیروں میں اپنے جوتے اڑستا دروازے کی جانب بڑھا۔دل عجیب طرح سے گھبرانے لگا تھا۔دھڑکنوں کی رفتار میں خطرناک حد تک اضافہ ہو چکا تھا۔شاہ جہان بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوا۔موسیٰ آگے آگے تھا تو شاہ جہان پیچھے پیچھے۔

کوٹھڑی کا بھورا لکڑی کا دروازہ نہایت خستہ حال تھا۔اس نے لکڑی کا اٹکا ہوا تختہ ایک جانب کو کیا اور قدم دروازے کے باہر بڑھائے۔باہر نکلتے ہی اس کی نگاہوں کے سامنے تاریک بن آیا تھا۔اوپر پھیلے آسمان پر بھی چھوٹے چھوٹے ستارے ٹمٹماتے نظر آرہے تھے۔

"داہنے جانب سیدھے سیدھے جاتے جاؤ گے تو سڑک آجائے گی۔"،پیچھے سے شاہ جہان نے سپاٹ سے انداز میں کہا تو موسیٰ نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔اس کی گہری سیاہ پتلیاں زمین پر ٹھہری ہوئی تھیں۔چہرہ بالکل عجیب سا ہو رہا تھا۔بے چینی صاف رقم تھی۔

"اور اگر بھیڑیئے آگئے تو؟"،موسیٰ نے ذرا خوف سے پوچھا۔

"فکر نہ کرو۔وہ اب نہیں آئیں گے۔"،شاہ جہان نے ہنوز سر جھکائے ہی جواب دیا۔موسیٰ چند پلوں تک اس کے جھکے سر کو دیکھے گیا۔پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

"شاہ جہان۔ آج کی ملاقات نے میرے اندر سب بدل دیا ہے۔ میں نے کسی ایک کے کیے کی سزا خود سمیت اور لوگوں کو بھی دی۔ نہیں دینی چاہیے تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ مشکل کے وقت میں ایمان کو تھامنا ہی سب سے ضروری ہوتا ہے۔ وہ کوشش ہی ہوتی ہے جو جنت دلواتی ہے۔ اللہ کے کہے پر عمل کرو تو سب کہتے ہیں مگر اللہ کے کہے پر عمل کیسے کرنا ہے، یہ کوئی نہیں بتاتا۔ شکریہ مجھے بتانے کے لئے۔ شکریہ میرا نامعلوم ٹھکانہ بتلانے کے لئے۔ مجھے اتنا کچھ باور کروانے کے لیے۔ اللہ تم سے راضی ہو۔ خدا حافظ!"، وہ بول کر رکا نہیں تھا، سر جھکائے داہنے جانب بڑھ گیا تھا۔ پیچھے شاہ جہان نے دھیرے سے سر اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی سیاہ نمی حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ چہرے کا تاثر بھی عجیب سا تھا۔

"موسیٰ وحید۔"، اس نے یونہی سر اٹھائے بلند آواز میں پکارا تو موسیٰ کے بڑھتے قدم رکے۔ سماعت شاہ جہان کے اگلے الفاظ سننے کی منتظر تھی البتہ چہرہ نہیں موڑا۔

"ایک بات بتانی تھی مجھے تمھیں۔"، موسیٰ کو پیچھے سے اس کی آواز سنائی دی۔ وہ اب بھی یونہی کھڑا رہا۔

"شہزادی ارمحینہ بنت غازیان ہی میری ارمحینہ تھی۔ وہ سیاہ نقش و نگار والی پیالی بھی اسی نے مجھے دی تھی۔ راہی میں ہی تھا۔ جن زادہ میں ہی تھا۔"، شاہ جہان کی آواز جنگل کی تاریکی میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ دور کہیں سے بھیڑیئے کے بھونکنے کی آواز آئی تھی۔ موسیٰ وحید کا چہرہ بالکل سپید پڑ گیا

تھا۔سانس بالکل تھم گئی تھی۔پہلو میں گرے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اسے اپنا ذہن بھی سن پڑتا محسوس ہوا تھا۔بصارت کے آگے چند لمحوں کے لئے اندھیرا چھایا تھا۔

اور اگلے ہی پل اس نے ایک جھٹکے سے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔تاریک جنگل کے وسط میں بنی وہ کوٹھڑی اب وہاں موجود نہ تھی۔وہاں جنگلی گھاس پھوس تھی۔وہاں سیاہ آنکھوں والا پراسرار سا بوڑھا شاہ جہان اب نہیں تھا۔یکدم ہی اسے ہر شے کی تاریکی بڑھتی محسوس ہوئی تھی۔جس جگہ پر کچھ دیر پہلے تک شاہ جہان کی بوسیدہ کوٹھڑی موجود تھی.اب وہاں محض جنگلی جھاڑیاں تھیں۔موسیٰ وحید کا سانس رک سا گیا تھا۔بے ساختہ ہی پورا جسد کپکپانے لگا تھا۔

جو آخری شے اس نے آروح کے بارے میں سن رکھی تھی،وہ یہ تھی کہ آروح میں جنات کا بسیرا ہے۔یہاں illusions ہوتے ہیں۔آروح نام ہی ایک سراب کا ہے،جیسے کہ صحرا میں بھٹکتے ہوئے لوگ سراب کا شکار ہوتے ہیں۔بالکل ویسے ہی آروح بھی سرابوں کا مسکن ہے۔

موسیٰ وحید کی آنکھوں کے آگے بے ساختہ ہی دھند سی چھا گئی تھی۔اسے آروح سے اس پل بے حد خوف آیا تھا۔ایک وحشت سی تھی جس نے اس کے دماغ کو گھیر لیا تھا۔اور اگلے ہی پل وہ مڑا تھا۔اور پھر وہ بھاگا تھا۔اس کی رفتار ہر گزرتے پل کے ساتھ تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔سانس عجیب طریقے سے پھولا ہوا تھا۔

تاریک آروح کے بیچ سے وہ تیزی سے بھاگتا آگے ہی آگے جاتا جا رہا تھا۔ درخت پیچھے ہی پیچھے جاتے جا رہے تھے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ شاہ جہان کے بتائے ہوئے راستے پر ہی جا رہا ہے یا نہیں۔ وہ بس یہ جانتا تھا کہ اگر آج رکا تو پتھر کا ہو جائے گا۔ یا پھر وہ رہے گا ہی نہیں۔ کسی ریت کے مجسمے کی طرح خاک میں مل جائے گا۔

"اور تم کہاں ہو؟"، شاہ جہان کی پراسراریت سے مزین بوڑھی آواز اس کی سماعت میں گونجی تھی۔ رفتار میں تیزی آئی تھی۔ دور کہیں آروح میں ہی بھیڑیے بہت زوروں سے بھونکنے لگے تھے۔

"اور خالی دل کے بھی لگتے ہو۔"، ایک اور جملہ گونجا تھا۔ رفتار میں مزید تیزی آئی تھی۔

"ایک ہارے ہوئے انسان بھی لگتے ہو۔"، محسوس ہو رہا تھا گویا شاہ جہان ایک بار پھر اس کے سامنے کھڑا اس سے کہہ رہا ہو۔

"تمھیں کس نے توڑا؟"، لگتا تھا جیسے شاہ جہان ایک بار پھر اس سے پوچھ رہا ہو۔ اور اس بار موسیٰ وحید کا جواب بالکل مختلف تھا۔

"میں نے۔ میں نے خود کو خود توڑا۔"، وہ بھاگتا ہوا بڑبڑانے لگا تھا۔ ذہن میں ایک لمحہ کوندا تھا۔ رفتار میں ذرا سستی سی در آئی تھی۔

(وہ نور جہاں کے سامنے اکھڑا اکھڑا سا کھڑا تھا۔وہ اسے اپنے پاس روکنا چاہتی تھیں۔وہ تنہا تھیں۔ان کا بیٹا،ان کی اکلوتی اولاد،دنیا میں موجود ان کا واحد رشتہ،ان کی نصیحتوں سے اکتا گیا تھا۔وہ انہیں چھوڑ کر جا رہا تھا۔وہ سب چھوڑ چھاڑ کر ہر ایک چیز سے دور جا رہا تھا۔ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔وہ تقریباً منت کرنے کے سے انداز میں اس کا شانہ تھامے ہوئی تھیں۔

"مت جاؤ،موسیٰ۔اپنی ماں پر رحم کرو۔"،وہ بوڑھے ہاتھ،وہ بوڑھی آواز،وہ کپکپاتا،ہچکولے کھاتا بدن۔۔۔

اور ان سب کو سنگدلی سے نظر انداز کرتا۔۔۔

غرور کا پیکر۔۔۔

موسیٰ وحید

"تمہیں اللہ کا واسطہ ہے،موسیٰ۔"،وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے بولی تھیں۔

"مجھے واسطہ وہ دیں جو میں مانوں۔"،وہ جس غرور سے یہ کفریہ کلمات بولا تھا،وہ غرور آج اس کے سامنے مسکرا کر لہرایا تھا۔وہ مسکراہٹ شیطانی تھی۔)

زندگی۔۔۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ زندگی تھی جو اس کی نگاہوں کے آگے گھوم رہی تھی۔وہ لمحات جن کا آج سے شاید کوئی تعلق نہیں تھا۔وہ پل۔۔۔وہ باتیں جو نہایت غیر متعلقہ تھیں،وہ بھی ذہن کے دریچوں میں گونج گونج رہی تھیں۔۔۔

مگر وہ صرف ایک ہی بات باور کرواتی تھیں۔۔۔یہی بات کہ وہ بھٹکا ہوا تھا!اپنی ذات میں،اس کے خلاؤں میں،اس کی الجھنوں میں،اس کے غرور میں۔۔۔وہ بھٹکا ہوا ایک مسافر تھا!

دوڑتے دوڑتے وہ یکدم ہی بری طرح لڑکھڑا کر گرا تھا۔مگر پھر اگلے ہی پل تیر کی سی تیزی سے کھڑا ہوا اور آگے کی جانب بھاگا تھا۔

"جنت محنت سے ملتی ہے۔اور جانتے ہو محنت کیسے کرتے ہیں؟"،شاہ جہان کے کہے گئے الفاظ اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔جھینگروں کی سوں سوں کی آوازیں گونج کر درختوں سے پلٹتی اس تک آ رہی تھیں۔

"ایمان اور اعمال محنت ہیں اور جنت اس کا پھل ہے۔"،اس کو اپنا چہرہ بھیگتا محسوس ہو رہا تھا۔ماتھے پر پسینے کی بہت سی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے،موسیٰ۔"،شاہ جہان کے الفاظ جوں کے توں کانوں میں گونج رہے تھے۔وہ بہت سی باتیں سکھا گیا تھا۔موسیٰ کو آج کی اس ایک ملاقات میں اس کی زندگی کے بہت بڑے اسباق تھما گیا تھا۔

اسے دور سے ہی سرمئی سڑک نظر آئی تھی۔ بھاگنے کی رفتار بھی بڑھی تھی۔اس کا آنسوؤں اور پسینے سے تر چہرہ اور اڑی ہوئی رنگت دیکھ کر کوئی بھی اس بات کا اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ بہت غیر متوقع ہوا ہے۔ کچھ ایسا جس نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ دوڑتے دوڑتے ایک جھٹکے سے اس نے اپنے قدم جنگل کی حدود سے باہر رکھے تھے۔ لمبی کشادہ سی سرمئی سڑک اس کی نگاہوں کے سامنے آئی تھی۔

سامنے ہی اس کی گاڑی کے آگے کچھ فاصلے پر ایک بھورے رنگ کی جیپ کھڑی تھی۔ جیپ کے بالکل برابر میں ایک اس ہی کی عمر کا لڑکا کھڑا پریشانی سے فون کان سے لگائے ہوئے تھا۔ رخ اس کی جانب ہی تھا۔

اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے دوڑتا اس تک آیا تھا۔

"موسیٰ، تم جنگل میں تھے؟"، وہ بدحواسی کے عالم میں پوچھ رہا تھا۔ موسیٰ نے کم پڑتی سانسوں کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے اسے گلے لگایا تھا۔ آنسو کسی آبشار کی مانند آنکھوں سے پھسلتے رخسار بھگوتے جا رہے تھے۔ حسن شاید اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ جنگل میں کیوں گیا مگر موسیٰ بے دم سا ہوا ہنوز اس کے گلے لگے زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ دور سے دیکھا جاتا تو ٹھنڈی سڑک پر بیٹھا ایک لڑکا روتا جا رہا تھا اور دوسرا اس کی پیٹھ تھپکتا پریشانی سے اس سے استفسار کر رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم مجھے ڈرا رہے ہو، موسیٰ۔ بولو تو سہی کہ کیا ہوا ہے۔"

موسیٰ روتے روتے بہت دیر بعد کچھ بولنے کے قابل ہوا تھا۔ گہری گہری سانسیں لیتا وہ ہولے سے حسن سے الگ ہوا تھا۔ حسن چہرہ اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"حسن۔۔۔ میرا۔۔۔ نامعلوم ٹھکانہ مجھے آج کی اس ملاقات میں معلوم ہو گیا مگر۔۔۔"، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ رو کیوں رہا تھا۔ اس سراب کے خوف سے؟ یا پھر اللہ کے خوف سے؟ اس کا پورا وجود کپکپاہٹ کا شکار تھا۔ حسن نے اسے دھیرے سے شانے سے تھام کر اٹھایا اور ساتھ خود بھی اٹھا۔ اب وہ اسے لیتا گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چہرے پر تفکر چھایا تھا۔

کافی دیر بعد موسیٰ کی حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔ وہ گویا اپنے ہوش و حواس میں واپس آیا تھا۔ اس نے حسن سے کہا تھا کہ اسے واپس رومان آباد جانا ہے۔ اسے ابھی بہت سارا رونا تھا۔ پچھتانا تھا۔ خود کو ملامت کرنا تھا۔ سجدے میں سر رکھ کر خود کو خاک کرنا تھا۔

"آر یو شیور کہ تم ڈرائیو کر لو گے؟"، حسن اس کے سر پر کھڑا اس سے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ موسیٰ اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، چہرہ اوپر اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پوچھنے پر ہولے سے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہوں۔"، وہ اب کافی حد تک خود کو کمپوز کر چکا تھا۔ لہجہ اور انداز بھی سنبھلا ہوا تھا۔ حسن اوکے کہتا اس کا شانہ نرمی سے تھپک کر آگے کی جانب گیا تھا۔ ایک بار دونوں گاڑیوں سے بندھے موٹے رسے اور ٹو کو یقین دہانی کئے لیے چیک کیا تھا اور پھر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

پیچھے موسیٰ بھی اپنی جانب کا دروازہ ایک بار پھر سے لاک کر کے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔ اس کے دماغ میں اب بھی شاہ جہان کی تمام باتیں گونج رہی تھیں۔ حسن نے آگے جیپ اسٹارٹ کی تو پیچھے موسیٰ نے بھی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ آخر موسیٰ نے سر جھٹک کر توجہ ڈرائیونگ کی جانب مبذول کر لی تھی۔

جیپ اور گاڑی ایک کے پیچھے ایک آگے بڑھی تھیں۔ وہیں کچھ فاصلے پر کھڑے درخت کی اوٹ سے دو پراسرار سی سیاہ آنکھیں ان کو تک رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں بھی نمی تھی۔ پچھتاوے کی نمی۔۔۔ وہ بھی سالوں سے یہ بھولے بیٹھی تھیں کہ ایمان کیا ہے۔ صدیوں سے قائم کردہ نکتہ نظر ایک ملاقات میں ہل کر رہ گیا تھا۔ اور پھر محض ایک ملاقات، ایک پل، ایک جملہ، ایک لفظ درکار ہوتا ہے سب کچھ بدل ڈالنے کے لئے۔ دنیا بدل دینے کے لئے۔ دل بدل دینے کے لیے۔ سوچ بدل دینے کے لئے۔

~"ایک ٹھکانہ جو نا معلوم تھا

ایک ملاقات میں معلوم ہو گیا"

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842